طباعت بہتر، صفحات ۹۶ قیمت دو روپے۔ پتہ لٹریری ریسرچ
طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔
مشہور طبیب مولانا محمد صلیح الدین ثاقب فاضل دیوبند، اب طبیہ
گڑھ سے وابستہ ہیں، ان کو اردو شعر و سخن کی طرح عربی و فارسی
ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے والہانہ عشق و محبت
بڑی عقیدت و اخلاص سے درودوں کی یہ سوغات تیار کی
استعداد کی بنا پر اس میں صرف غیر منقوط الفاظ استعمال کیے
یا ہے کہ ہر غیر منقوط لفظ کے درود کا آخری فقرہ اسی پر ختم ہو،
جود اس میں معنوی کیفیت بھی ہے، اور درود کے اکثر صیغے
ہیں، شروع میں درود شریف کے فضائل کی چند حدیثیں مع
ج درود شریف کے جو مجموعے تیار کیے گئے ہیں انہیں غالباً یہ اپنی نوعیت
ت تقرب الی اللہ اور شفاعت نبوی کا وسیلہ ہے، اس لیے یقین ہے
ں ان کے درجات میں بلندی کا سامان اور لوگوں میں مقبول ہوگا۔

ں۔ مرتبہ جناب یو آر راؤ صاحب، چھوٹی تقطیع، کاغذ، کتابت و
، پتہ پبلیکشنز ڈویژن وزارت اطلاعات و نشریات حکومت ہند۔
ل جینتی کے موقع پر طلبہ اور معمولی استعداد کے لوگوں کیلئے سہل زبان اور
کی بلند شخصیت و سیرت، اونچے آدرشوں اور سبق آموز واقعات زندگی کو مؤثر
آزادی کی طرح گاندھی جی کا مقصد انکی اخلاقی اصلاح اور قوم کی ذہنی و
کتاب جو نئی نسلوں کو انکے پیغام اور تعلیمات سے واقف کرانے کیلئے لکھی گئی ہے،

"ض"

جلد ۱۰۹۔ ماہ ذوالحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۷۲ء۔ عدد ۲

مضامین

شذرات

ادہو چکا، بہت سی حکومتوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے، جو باقی ہیں وہ بھی
مگر آزادی اپنے ساتھ بڑی ذمہ داریاں لاتی ہے، جنگی جوش و خروش،
جذبۂ انتقام کا دور ختم اور معاملات و مسائل پر سنجیدہ غور و فکر اور انکے
ع ہو جاتا ہے، مگر ابھی دونوں کے دماغوں سے جنگ کا خمار نہیں اترا
ن جو حل طلب مسائل ہیں، انکی طرف کوئی توجہ نہیں، ان میں ایک بڑا مسئلہ
ہے جو بنگالیوں کے جوش انتقام کا شکار ہو رہے ہیں، ان کا قصور یہ ہے
کی زبان اردو ہے، اور ان کا کلچر بنگالیوں سے مختلف ہے، ان پر سب سے
پاکستان کے حامی تھے، اور انھوں نے اسکی فوجوں کی مدد کی تھی، ممکن ہے
اجرین سے نفرت اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلسلہ خونکشی سے بہت پہلے
انھوں نے اپنے تحفظ کے لیے فوج کی حمایت کی ہوگی، گو بنگلہ دیش کی حکومت
کو بہت ہلکا کر کے دکھاتی ہے، لیکن وہاں سے خطوط اور اشخاص کے ذریعہ
اور غیر ملکی نامہ نگاروں کے بیانات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، اس کا ایک
بہار اور یوپی کے سیکڑوں گھروں میں ماتم بپا ہے، اگر ہندوستانی فوج مہاجرین
صفایا ہو جاتا، اس سے حالات کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مہاجرین
اسکو تمام تر صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی بنگلہ دیش کی آزادی اور سیکولر

اور جمہوری حکومت کے قیام کے بعد مہاجرین وہاں کے شہری بن چکے اور اب ان کو اجنبی سمجھنا اور ان سے انتقام لینے کا کوئی جواز نہیں ہے، ورنہ جمہوریت اور سیکولرزم محض ڈھونگ ہے،

بہادر، شریف اور بلند نظر قومیں کامیابی کے بعد گذشتہ واقعات کو فراموش کر دیتی ہیں اور مخالفین سے بھی انتقام نہیں لیتیں، ہندوستان کی جنگ آزادی میں حکومت کا پورا عملہ انگریزوں کے ساتھ تھا، اسکے حکام نے حریت پسندوں اور ان کے بڑے بڑے لیڈروں پر ہر قسم کی زیادتیاں کی تھیں، ان پر گولیاں تک برسائی تھیں، مگر آزادی ملنے کے بعد ملکی حکومت نے نہ ان سے کوئی انتقام لیا نہ کسی قسم کا نقصان پہنچایا، وہ بدستور اپنے عہدوں پر برقرار رہے، اس سے بڑھکر یہ واقعہ ہے کہ ان مسلم لیگی لیڈروں سے بھی جنکو ہندوستان کی تقسیم کا بانی سمجھا جاتا ہے کوئی بدلہ نہیں لیا، اور اسکے نقصان کے علاوہ جو ہندوستان کی تقسیم سے یہاں کے سارے مسلمانوں کو پہنچا تھا لیگیوں کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا، اور نہ ان کو کسی حق سے محروم کیا، ان کو وزارت تک میں لیا، مہاجرین کا جرم ان لیگیوں سے تو زیادہ سنگین نہیں ہے کہ وہ ناقابل عفو ہو، کس قدر شرم اور غیرت کا مقام ہے کہ ایک غیر مسلم اکثریت کی حکومت نے تو لیگی مسلمانوں کے ساتھ انسانیت و شرافت کا یہ نمونہ پیش کیا اور ایک مسلم اکثریت کی حکومت بے کس مہاجرین کے ساتھ بربریت کا ثبوت دے رہی ہے، آخر بیس لاکھ مہاجرین اجڑ کر کہاں جائینگے اور دوبارہ بے خانماں ہونے کے بعد نئی زندگی کس طرح شروع کریں گے، مکمل بربادی کے علاوہ ان کا کوئی انجام نظر نہیں آتا، جس کی ذمہ داری بنگلہ دیش کے سر ہوگی۔

تعجب ہے کہ حکومت ہند، یہاں کے لیڈر اور اخبارات مہاجرین کے مسئلہ کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں، بلکہ اسکی سنگینی کو گھٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، ایک طرف تو ہماری حکومت نے ہر طرح کے خطرات برداشت کر کے ایک کروڑ بنگالی پناہ گزینوں کی پذیرائی اور ہر طرح کی امداد و دستگیری کی، اس کے لیے جنگ تک کا خطرہ مول لیا، ان ہندوستانیوں کو جو پشتہا پشت سے سیلون میں آباد تھے، وہاں سے جلاوطن ہونے کے بعد ہندوستان میں بسایا، دوسری طرف وہ مہاجرین کے مسئلہ میں جو چند ہی برس پہلے ہندوستانی

ہے، اس تفریق کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، ہم کو یقین ہے کہ مسز اندرا گاندھی کو ان
گا، ورنہ وہ ضرور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتیں، اس وقت بنگلہ دیش حکومت
س لیے اس کی انسان دوستی کا تقاضا ہے کہ وہ مہاجرین کے مسئلہ کو طے
ں کرے گی، یہ بھی اس کا کارنامہ ہوگا، ورنہ ہندوستانی فوجوں کے ہٹنے کے
ور بھی برا ہوگا۔

خ ظہور الحسن صاحب سابق ریونیو سکریٹری حکومت اتر پردیش نے
وہ اپنے محکمہ کے ماہر اور اس صوبے کے لائق ترین عہدہ داروں میں تھے،
فار تھا، عملاً بڑے مذہبی اور دیندار تھے، مذہبی مطالعہ وسیع تھا، دینی
قی، ترک وطن سے پہلے دار المصنفین کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے، کئی
چکے تھے، ان کے لڑکے پاکستان میں بڑے عہدوں پر تھے، لیکن وہ خود
رہے، ۱۹۶۵ء کی جنگ سے کچھ پہلے لڑکوں سے ملنے کراچی گئے تھے، اسی
ی، اس لیے لڑکوں کے اصرار سے وہاں مستقل قیام اختیار کرلیا،
ں وفات پائی، مسلمان عہدہ داروں میں ایسے لائق اور دیندار
اس مرد مومن کی مغفرت فرمائے۔

رام ناتھ کنزرو کی وفات کا ہے، وہ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو معتمد سرونٹل
ترقی اردو ہند کے بڑے بھائی، پرانے کشمیری پنڈتوں کی طرح ہماری پرانی
دو زبان کے بڑے شیدائی تھے، جامعہ اردو علی گڑھ کے امیر بھی تھے، انکی
ی وضعدار اٹھ گیا، اور قدیم تہذیب و شرافت کی ایک یادگار رخصت گئی
ایسے نمونے نہ پیدا ہوں گے۔

مقالات

میرزا محمد امین میر جملہ المتخلص بہ روح الامین

از جناب ڈاکٹر نور السعید اختر ایم اے، پی ایچ ڈی بمبئی

دیار دکن کی سرسبز و شاداب وادی ادبی، ثقافتی اور معاشی اعتبار سے بڑی مستحکم رہی ہے، بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد یہ مملکت پانچ خود مختار ریاستوں میں بٹ گئی، قطب الملک نے گولکنڈہ کو اپنا پایۂ تخت بناکر اپنی سلطنت کے ہر شعبے کو فروغ دینا شروع کیا، اس کے جانشینوں نے بھی ادب و فن کی ترویج و ترقی کو اپنا شعار بنایا، محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) فنی و ادبی گلستانوں میں نئی روشیں نکالی گئیں، محمد قلی قطب شاہ کی قدر دانی اور ادب نوازی کی شہرت سنکر ایرانی فنکاروں نے بھی دکن کا رخ کیا، ان میں ایسی نامور شخصیتیں بھی تھیں جن کی ایرانی دربار تک رسائی نہ ہوسکی تھی، اس لیے جب محمد قلی قطب شاہ نے ان کی عزت افزائی کی تو شاہانِ ایران بھی دنگ رہ گئے، میرزا محمد امین بھی اُن خوش نصیبوں میں سے ہیں، ایسے تجربہ کار اور کامیاب منتظم کی شاہان ایران نے پرسش نہیں کی، اس دُرِ بے بہا کو پہلے محمد قلی قطب شاہ نے پرکھا اور پھر جہانگیر و شاہ جہاں نے آب و تاب بخشی،

حالات زندگی | میرزا محمد امین وطناً شہرستانی تھا، بعض نے سیستانی[1] اور اصفہانی[2] بھی بتایا ہے،

---

[1] تاریخ گولکنڈہ، عبد المجید صدیقی، ص ۲۹۲ [2] ماثر الامراء، شاہنواز خاں، ص ۲۱۲ (جلد سوم)

شہرستان کے مشہور سید گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، شاہی دربار وں
ظمت تھی، میرزا کے بڑے بھائی میرزا جلال الدین حسین[1] صلائی شاہ عباس
القضاۃ کے جلیل القدر عہدے پر فائز تھے، ان کے انتقال کے بعد
میرزا تقی کے لڑکے میرزا رضی[2] اس عہدے پر سرفراز ہوئے، میرزا
راغ نہیں ملتا، البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے چچا وغیرہ
نے جلد ہی علوم متداولہ حاصل کر لیے تھے، اور انھیں اکاؤنٹس
معاشیات (Revenue) اور سول ایڈمنسٹریشن (
عبور حاصل ہو گیا تھا، علی بن طیفور کے اس بیان سے اس کی

ت بمرتبۂ مہارت کہ ہیچ کس از ابنائے روزگار بادے خیال
نمی توانست نگاشت۔"[3]

جود اس گوہر گرانمایہ کی اپنے وطن میں کوئی قدر و منزلت نہ ہوئی
ت کرتا رہا، جب اسے کوئی امید نظر نہ آئی تو اس نے مادر وطن
ت آزمائی کے لیے ہندوستان جنت نشاں کی طرف نکل پڑا، ان
ایرانی دربار سے میرزا کی کوئی چشمک ضرور تھی، ورنہ مرزا جیسا
ب اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، کیوں وطن چھوڑنے پر مجبور ہوتا،
پہلے کس راستے ہندوستان میں داخل ہوا، اگر خیبر کی راہ سے
عہد جہانگیر کے دربار میں براہ راست کیوں حاضر نہیں ہوا؟ اور

...م (جلد سوم)، [2] ایضاً [3] حدائق السلاطین: علی ابن طیفور بسطامی ق ۱۸۲ ادر ق ...
۲۹۵

زودی [illegible]
کوئی کشش اسے شاہانِ گولکنڈہ کی سرکار میں لے گئی؟ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ میر
محمد مومن، مرتضائے ممالکِ اسلام، پیشوائے سلطنتِ قطب شاہیہ کی تحریک سے میرزا نے
دربارِ گولکنڈہ کی راہ لی تھی۔

تاریخیں اس امر پر متفق ہیں کہ میرزا سنہ ۱۰۱۱ھ کے قریب گولکنڈہ آیا، اس وقت اسکی
خوش قسمتی سے میر جملہ کی اسامی خالی تھی، ملک امین الملک الف خاں کے انتقال کے بعد سے یہ
عہدہ خالی پڑا تھا اور سوری راؤ منصرمانہ طور پر میر جملہ کے فرائض انجام دے رہا تھا، محمد قلی
قطب شاہ سوری راؤ کے انتظام اور نظم و نسق سے زیادہ خوش نہیں تھا، اکثر امراء اور اہل دربار
بھی اس کے شاکی تھے، محمد قلی قطب شاہ کے ملک الشعراء وجہی نے سوری راؤ کے نظم و نسق کی
مذمت ان اشعار میں کی ہے[1]

خونِ من صرفِ گردنِ راؤ است	زیر چرم است استخوان بائے
وعدہ می دہد مرا ہر روز	کہ بآں وعدہ نے سراست نہ پاؤ
سال می رفت و ہنوز می گوید	خوب ہے کیا ہتا ہے دیکھے جاؤ[2]

محمد قلی قطب شاہ کو اعلیٰ درجے کے منتظم، دیانت دار اور مدبر جملۃ الملک کی ضرورت
تھی، چنانچہ سنہ ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ء میں پیشوائے مملکت میر محمد مومن کی سفارش پر میرزا
کو جملۃ الملک اور وزیر و مختار کل بنا دیا اور ایک اعلیٰ درجے کا قلمدان جو قیمتی جواہرات
سے مرصع تھا، میرزا کو عطا کیا، میرزا کی قابلیت اور انتظام مملکت میں اس کے جوہر دیکھکر
محمد قلی قطب شاہ نے ۲ لاکھ ہون سالانہ (یعنی زمانۂ حال کے تقریباً ۱۰ لاکھ روپے) تنخواہ مقرر کی،

[1] تاریخ گولکنڈہ: عبد المجید صدیقی، ص ۲۹۲
[2] کلیات فارسی، ملا اسد اللہ وجہی (قلمی) سالار جنگ لائبریری، نمبر ۵۱۱

وہ مختلف موقعوں پر شاہی عطیات سے نوازتا رہا، حدائق السلاطین کا بیان ہے:
نواع تشریفات شاہانہ و اسپان بازین زر و فیلان کوہ پیکر معزز و ممتاز گردیۃ[1]

کے بعد ہی میرزا نے اپنی کارکردگی کے جوہر دکھانے شروع کیے، اس سلسلے میں
اپنے پیش رو سوری راؤ برہمن کے حساب و کتاب کی تحقیقات کی اور ایک
ن کے ذمے واجب الادا نکلی، اس واقعہ نے سب کے کان کھڑے کر دیے اور
گوشے گوشے میں ان کی ہوشیاری کا چرچا پھیل گیا، اور سلطنت کے کارندے
جانفشانی اور دیانتداری سے فرائضِ سلطنت انجام دینے لگے،

و بادشاہ وقت کے مزاج میں کافی دخل تھا، وہ بلا کھٹکے بادشاہ کی خوابگاہ
ا، اور اسے گہری نیند سے جگانے میں بھی گریز نہیں کرتا تھا،[2] اس سلسلے میں
ں رقمطراز ہیں:

امین از مددگاریِ بخت و توافقِ اقبال در مزاجِ محمد قلی (قطب شاہ) چناں جاگر
ب میرجملگی بر نواختہ، ہمگی حل و عقد امور بکاردانگی میرزا گذاشت[3]۔"

تالیں شاہان گولکنڈہ کے یہاں کم ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنے کسی امیر کی
ں ہو، یہ فخر میرزا محمد امین کو حاصل رہا ہے کہ اس نے محمد قلی قطب شاہ
دشاہ کو اپنے یہاں مدعو کیا، اور اس کی ایسی شاندار دعوت کی کہ جس کی
یخ میں نہیں ملتی، میرجملگی کے عہدہ پر میرزا کا تقرر ۱۰۱۱ھ میں ہوا تھا اور
ں نے بادشاہ کی دعوت کی تھی، اس دعوت کے تزک و احتشام کا حال

طین، علی ابنِ طیفور بسطامی، ص ۱۸۰ [2] سلطان محمد قلی قطب شاہ، زور، محی الدین قادری
[3] مآثر الامراء، شاہنواز خاں (حصہ سوم) ص ۴۰۴

ڈاکٹر محی الدین قادری نے ان الفاظ میں دکھایا ہے:-

"اس موقع پر اس نے محل کو سات رنگوں کے دیبا سے سجایا تھا اور جلد راستے
عنبر و گلاب و مشک سے خوشبودار بنائے تھے، بادشاہ صبح کے وقت جب اس محل
میں داخل ہوا تو میرزا محمد امین نے زربفت، اطلس، مخمل اور مشجر کو پانداز کر کے
اپنی ڈیوڑھی کو رشکِ گلستاں بنا دیا، بادشاہ کی آمد سے قبل ہی حیدرآباد کے
تمام امرا و اعیانِ دولت، سلاحدار اور قدیم الخدمت ملازمین وزیر اعظم کے محل میں
جمع ہو کر اپنی اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، بڑے بڑے انشا پرداز اور شاعروں نے
اس مجلس میں بادشاہ کی مدح میں قصیدے اور مضامینِ نثر پڑھکر سنائے جن میں
وزیر کو اس اعزاز و افتخار پر مبارکباد دی گئی تھی، اس کے بعد ماہرینِ رقص و سرود
نے اپنے اپنے کمالِ فن کے اظہار سے مجلس کو مسرور کیا، پھر میرزا محمد امین نے بادشاہ
کی آمد پر قسم قسم کی نادر و بیش بہا اشیا، بادشاہ کی خدمت میں پیش کیں، مثلاً

(۱) تیس[30] عربی النسل گھوڑے جن میں ہر ایک کی زین و لگام مرصع تھی،

(۲) بیس[20] ہاتھی،

(۳) ایک سونے کا کمربند جس میں چودہ[14] جواہر جڑے ہوئے تھے، اور جس کا چوکھٹا
سونے کا تھا اور اس میں بھی جواہر لگے ہوئے تھے،

(۴) قرآن مجید اور دوسری کتابوں کی چودہ خوشخط و مطلا و مذہب جلدیں،

(۵) دو سو عجیب و غریب سنگری غوری (؟)

(۶) دو سو[200] باریک اور نفیس کشمیری شال

(۷) زربفت، مخمل، کمخواب، مشجر اور اطلس کے چودہ چودہ تھان،

الینوں کی تیس جوڑیاں ،

دگرانی خوش رنگ و خوش قماش کافی طویل و عریض ،

ی کشتیاں جن میں قسم قسم کے جواہر اور شماماۓ عنبر تھے ،

وہ اور بہت سے بری اور بحری تحفے ۔

انے کے بعد دسترخوان پر اتنے قسم کے کھانے ، مشروبات اور میوے

ب مورخ کے بقول " بتخیلہ نگنجد و بشمار نیاید " ۔ کھانے پینے سے فراغت

نے جملہ ندیموں ، قصہ خوانوں ، شاعروں اور اہل نغمہ کو جو اس مجلس

تشریفات فاخرہ سے سرفراز کیا اور پچاس ہزار ہون نقد عطا کیے ،

ت میں جو نذر پیش کی تھی ، تاریخوں میں اس کی قیمت ایکسو پچاس ہزار

ب بتائی گئی ہے " [۵]

ت سے لوٹنے لگا تو اس نے محمد امین کی عزت افزائی کے لیے اپنے

زمردیں چادر نکال کر محمد امین کو عنایت کی ، یہ اس زمانہ میں

س کے علاوہ

ت فاخرہ

وڑے ، جن کی زین اور لگام مرصع تھی ، اور واپسی میں محمد امین

یں سے ایک پر سوار ہو کر شاہی محل کو لوٹا ۔

ہ اور عالی خاندان تھا لیکن مزاج میں تندی و تیزی زیادہ تھی ،

ز در محی الدین قادری ، ص ۳۵۰

مذہبی معاملات میں نہایت متعصب واقع ہوا تھا ، مآثر الامرا لکھتا ہے کہ

" میر اگرچہ در سیاست و شرافت نسب رتبۂ بلند داشت اما از اخلاق مرضیہ و

اطوار بہیہ نصیبہ نداشت ، بسیار سبک مزاج و تند خو بود و در مذہب امامیہ سخت

متعصب .... روزے در حضورِ اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) تقریب مذہب درمیان

آمد ، میر بتندی حرف زد ، پادشاہ فرمود کہ میر واقعی اصفہانی است کہ مردم آنجا

بہ درشتی و تندی اشتہار دارند " [۱]

اس کی دوسری خامی یہ تھی کہ وہ رزم سے زیادہ بزم کا دلدادہ تھا ، ۱۰۱۹ھ میں

پہلی اور آخری بار وہ محمد قلی قطب شاہ کے حکم سے باغی پرتاب شاہ کی گوشمالی کے لیے

نکلا تھا ، اس وقت بھی اس نے جس احتیاط سے کام لیا ، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میدانِ

کارزار کا سپاہی نہیں تھا ، ایسے کاموں میں سستی سے کام لیتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ ٹل جائے ،

محمد قلی قطب شاہ کو جملۃ الملک کی یہ عشرت پسندی اور امن دوستی پسند نہ تھی ، چنانچہ

اس نے ایک بار اس کو باغیوں کی بیخ کنی کی تاکید کرتے ہوئے کہا تھا کہ

" خسرو زمان رکن سلطنت البہیہ و اعتماد الدولۃ العلیہ میرزا محمد امین میر جملہ

فرمود کہ رفع آں مفسد اہم مہمات است و اہمال در تنبیہ آں مفسد موجب فساد است " [۲]

۱۰۲۰ھ میں میرزا کے قدردان بادشاہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا ،

اس کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی ، اس لیے سلطنت کے وارث کا مسئلہ پیش آیا ، اور

میر محمد مومن اور مرحوم بادشاہ کی وصیت کے مطابق محمد قلی قطب شاہ کا بھتیجا جانشین قرار

دیا گیا ، تاریخوں میں اس سانحہ میں دوسرے امراء اور وزرا کے طرزِ عمل کا ذکر ملتا ہے ، لیکن

---

[۱] مآثر الامراء ، شاہنواز خاں ، ص ۱۶۱۳ [۲] تاریخ قطب شاہی ، ص ۳۴۷

نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آقا کے انتقال کے بعد اسے بولنے کا مجاز ہی
یہ بھی ممکن ہے کہ وہ محمد قطب شاہ سے خوش نہ ہو، اور اس سے کوئی رنجش ہو،
کا مولف لکھتا ہے کہ محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی میرزا نے اس کی
ت کی عرضی پیش کی، محمد قطب شاہ اس سے خوش نہ تھا، اس لیے اس نے
منظور کر لی، اور میرزا کو اپنے پورے مال و متاع کے ساتھ حیدرآباد سے
ت دیدی، اور اس کی خدمات کا لحاظ کرکے اپنی طرف سے میرزا کو سفر کے
دس ہزار ہون بھی عطا کیے، اگر محمد قطب شاہ کو میرزا سے کسی قسم کی خلش نہ
ل اور تجربہ کار شخص کو چلے جانے کی اجازت نہ دیتا، اس سلسلہ میں برہان مآثر

ور میرزا استقلال خود مشاہدہ نمود از روئے حزم و عاقبت اندیشی
مت کردہ استدعائے رخصت مراجعت بوطن مالوف نمود، اما از فرط ہمت
و منال او نگردد۔"

۱۰۲۱ھ کے درمیان میرزا دربار بیجاپور میں باریاب ہوا لیکن سلطان
ندیشی اور مصلحت کے پیش نظر میرزا کی ہمت افزائی نہیں کی، کیونکہ وہ پڑوسی
ندہ امیر تھا، اس لیے اس کا تقرر حکومت کے مفاد کے خلاف تھا، اس
کے مصنف نے دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے :
دہ بیجاپور پیوست، با عادل شاہ نیز صحبت او در نگرفت۔"[۵]
پاس اپنے وطن کی واپسی کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا، اس لیے اپنے[۱]

واز خاں، ص ۵۵۱،

فروری ۱۶۱۳ء

ائی کے ساتھ ایران چلا گیا اور ۲۸ ویں سال جلوس ۱۰۲۳ھ میں شاہ عباس صفوی
کے دربار میں اپنے بھتیجے میرزا رضی (رفیع[۱]) کے توسط سے حاضر ہوا، میرزا شاہ عباس سے کسی
اعلیٰ عہدے کا خواہشمند تھا، چنانچہ اس نے بادشاہ کی خدمت میں تقریباً ایک لاکھ کی قیمتی
نذر پیش کی[۲]، لیکن شاہ عباس کو معلوم تھا کہ میرزا کی ملکیت میں کئی نوادر ہیں، وہ انھیں
حاصل کرنے کی فکر میں تھا[۳]، اس لیے میرزا کو کسی عہدے پر مقرر کرنے میں توقف سے کام لیا،
میرزا کی قیافہ شناس طبیعت نے اس کو بھانپ لیا اور بقول کلیم اصفہانی ؎

در خاک وطن تخم مرادی نشود سبز
بیہودہ کلیم این ہمہ سرگرم سفر نیست[۴]

اس لیے اس نے دوبارہ ہندوستان لوٹنے کا فیصلہ کیا، اور اپنے ارادے سے
شہنشاہ جہانگیر کو مطلع کیا، جہانگیر کو میرزا کی خوبیوں کا علم پہلے سے تھا، اُس نے اپنے قلم سے
میرزا کے نام فرمان لکھکر اس کو بلایا، چنانچہ جمعہ ۲ ربیع الاول ۱۰۲۶ھ کو میرزا دربار جہانگیری
میں حاضر ہوا، جہانگیر تزک میں میرزا کے متعلق لکھتا ہے :-

"اسی دن میر جملہ عراق سے یہاں پہنچکر آستاں بوسی سے مشرف ہوا، یہ اصفہان کے
سادات خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اب اس کا بھتیجا میر رضی میرے بھائی شاہ عباس
کی خدمت میں صدارت کے عہدے پر فائز ہے، اور شاہ نے اپنی دختر کی نسبت اس سے
کی ہوئی ہے، یہ شخص عرصہ چودہ سال ہوا کہ عراق سے ہندوستان آکر محمد قلی قطب
الملک کی خدمت میں پہنچ گیا تھا، اس کا اصلی نام محمد امین ہے، اور میر جملہ کا خطاب اسے

[۱] مآثر الامراء، شاہنواز خاں ص ۳۱۴ [۲] منتخب اللباب، خافی خاں ص ۱۳۵ (حصہ دوم)
[۳] مآثر الامراء، شاہنواز خاں ص ۳۱۴ [۴] ابو طالب کلیم اصفہانی، شریف النساء بیگم انصاری

ب الملک نے دیا تھا، یہ دس سال تک قطب الملک کی خدمت میں رہا اور میر
ان کے عہدے تک ترقی کی، قطب الملک کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا ریاست
متقر ہوا تو اس نے میر جملہ سے خاطر خواہ سلوک نہیں کیا، اس لیے وہ دل برداشتہ
واپس عراق چلا گیا، شاہ عباس نے میر رضی سے اس کی قرابت داری کا لحاظ
ہوئے نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا، اس نے اپنے نادر تحائف شاہ کی خدمت میں
کیے، اور تین چار سال تک عراق ہی میں مقیم رہا، اس کے متعلق اطلاع ملتی رہی
ہندوستان آنے کی خواہش رکھتا ہے، اسے میں نے فرمان بھیج کر اسے اپنے دربار
کر لیا، اس نے دربار میں حاضر ہو کر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی،
گھوڑے، ذرکشتیاں اعلیٰ اور نادر سامان سے بھری ہوئی اور دو انگوٹھیاں
مت میں پیش کیں، جس عقیدت اور خلوص دلی سے وہ میری خدمت میں
تھا، میں نے اس پر نوازشات کرتے ہوئے بیس[۲۰] ہزار درب برائے اخراجات
فاخرہ سے سرفراز کیا[۱]۔"

جہانگیر کی خدمت میں بھی ایک گرانقدر نذر پیش کی جس کی قیمت کم از کم
ئے تھی، اس میں حسب ذیل چیزیں تھیں،
۱۲ عدد، زربفت کے تھان ۹ عدد، یاقوت کی انگشتریاں ۲ عدد۔ اسکا
ل نامہ اور منتخب اللباب میں ہے،
یرزا کو دو ہزار و پانصدی و دو[۲] بست، سوار کا منصب عطا اور عرض مکرر
کیا، پھر ارادت خاں کے منصب میں تبدیلی کے بعد میرزا کو میر ساماں بنایا[۲]،

الدین محمد جہانگیر (ترجمہ مولوی احمد علی) ص ۹۱، ۹۲ [۲] مآثر الامرا: شاہنواز خاں ص ۱۵۱ہ

جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں نے بھی میرزا کی ہر طرح سے عزت افزائی کی،
شاہنواز خاں لکھتا ہے:۔

"چوں نوبت سلطنت بہ اعلیٰ حضرت رسید، مدتے بوسیلہ در ایں بندگی بمیر سامانی
اختصاص داشت و در سال ہشتم از تغیر اسلام خاں بجایہ والائی میر بخشی گیری برآمدہ
باضافہ ہزاری پانصد سوار بمنصب پنجہزاری دو ہزار سوار چہرۂ کامیابی برافراخت[۱]۔"

میرزا خوش نصیب امیر تھا، اسے گولکنڈہ اور مغل بادشاہوں کی خدمت کا موقع ملا،
اس نے دونوں جگہ اپنی قابلیت اور صلاحیتوں کا ثبوت دیا، اور "امین الملک اور آصف
دوراں[۲]" کے لقب سے یاد کیا گیا، اس نے نہ صرف حکومت کے انتظامی فرائض انجام دیے
بلکہ بیرونی طاقتوں کے مقابلے میں قطب شاہی فوجوں کی کامیاب رہنمائی کی[۳]، اسے
نوادرات جمع کرنے، خوشنما باغات وغیرہ بنانے کا بڑا شوق تھا، حیدرآباد کے دوران قیام
میں ندی کے کنارے ایک عالیشان باغ بنوایا تھا، اس باغ کی ہر روش سے تزک احتشام
کی شبنم ٹپکتی تھی، اس کے چلے جانے کے بعد یہ باغ شاہی تفریحگاہ اور شاہی مہمان خانے
کے کام آتا تھا، یہ امین باغ کے نام سے ابتک موجود ہے، اور زنانہ اسپتال بنا دیا گیا ہے[۴]،
ملا نظام الدین احمد اس باغ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"باغ میرزا محمد امین میر جملہ ماضی کہ قطعہ ایست از بہشت بریں[۵]۔"

"باغ میرزا محمد امین میر جملہ ماضی بہترین مقامات و منازل دار السلطنت است[۶]۔"

میرزا نہایت فراخ دل اور فیاض تھا، اس نے قحط کے زمانے میں لنگر خانے کھلوائے،

---

[۱] مآثر الامرا: شاہنواز خاں ص ۱۵۱ہ [۲] تاریخ گولکنڈہ: عبد المجید صدیقی ص ۲۹۲ [۳] ایضاً ص ۱۱۰-۱۱۱
[۴] حدیقۃ السلاطین: ملا نظام الدین احمد ص ۱۲، [۵] سلطان محمد قلی قطب شاہ: زور محی الدین قادری ص ۲۲۲
[۶] حدیقۃ السلاطین: ملا نظام الدین احمد ص ۶۲ [۷] ایضاً ص ۱۳۳

...ے ہے :-

...کہ در سال چہارم دکر اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) بخطۂ برہانپور اقامت داشت،
...کِ باران گرانی و غلا بجائے انجامید کہ جانے بنانے میدارند کسی نمی خرید و
...نے می فروختند نمی ارزید، متصدیان مہمات پادشاہی و عدہ اگم والا آش
...رہا و ہر بلدہ ترتیب دادند دراں ہنگام میر جملہ نامے بسخاوت برآورد،
...ز در برہانپور لنگر طعام جاری داشت و نقد و اجناس نیز بمردم خیرات کرد
...قت ہم مردم ایران می گفتند کہ کرم میر جملی نیست اما این طعن و سرزنش
...از سوئے باطن است . والا این امر بتکلف ہم مورد تحسین و محل جزا است۔[1]"

... مطابق ۱۶۳۶ء میں میرزا پر فالج کا دورہ پڑا، اور اسی مرض میں جہان فانی
...کبرآباد (آگرہ) میں سپرد خاک کیا گیا۔[2]

...یرزا نے ہندوستان میں چھتیس [36] سال کا زمانہ گزارا، حیدرآباد کے
...متعدد ادبا اور شعرا کا ساتھ رہا، پیشوائے مملکت میر محمد مومن ایک
...سعدی تھے، انھوں نے قطب شاہی دربار کی زینت کے لیے بہت سے علما
...را جمع کر لیے تھے، ان میں قاضی سمنانی، میرک معین الدین سبزواری وغیرہ
...، میرزا بھی اسی زمرے میں ہیں، اس کو شعر و سخن کا بڑا اچھا ذوق تھا،
...عر و ادیب اور شعرا و ادبا کا بڑا قدردان تھا، اس نے جس شاعر
...ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا گیا۔ ان میں سب سے پہلے قطب شاہی
...جہی قابل ذکر ہے، اس کو نثر اور نظم دونوں پر قدرت تھی، اس نے

...ال ص ۱۰۱ (حصہ سوم) [2] محمد قلی قطب شاہ، شیروانی، ایچ، کے، (انگریزی) ص ۵۹-۶۰

زوری ۱۶۳۲ء

شعر گوئی میں مرزا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، اور اپنی شاعری میں جا بجا مرزا کے کمالات کا اعتراف کیا ہے :

سخن را سد رسی رسانیدہ ام — کہ روح الامین است استاد من[1]

عالے رای کنم شاگرد از اعجاز طبع — وجہیا استاد اگر روح الامین باشد مرا[2]

جب میرزا دربار جہانگیری میں حاضر ہوا تو اس کی قدردانی کا شہرہ سنکر صحیفۂ غزل کہ آخری ورق ملک الشعرا، مرزا ابو طالب کلیم میرزا سے وابستہ ہوا، ۱۰۳۰ھ اور ۱۰۳۶ھ کے درمیانی عرصے میں کلیم نے میرزا کے سوا کسی سے توسل اختیار نہیں کیا، اور میرزا کی مدح میں بڑے بڑے قصائد لکھے، ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎[3]

در تہنیت عید و مدح میر جملہ روح الامین

قدسیاں کردند مشقِ نام آں فرخندہ فال — شکلِ نون بر لوح گردون بنگر اینک از ہلال

پادشاہ کشور، ز انشور دہ روح الامین — آنکہ از ضبطش مزاج دہر دارد اعتدال

از حروف حلقہ دارش حلقہ در گوش افگند — گر بخواہم بیتی از دیوانِ تو بر اہل حال

جز و دیوان تو ہر جلدش در رخستن — پوست را از تن بدندان میکند بیرون غزال

لفظ بر معنی دلالت میکند و زبس ظہور — در ہمہ اشعار تو معنی بود بر لفظ دال

نقطہ بر فوقِ حروفش ہمچو اختر بر سپہر — تحت الفاظش نقطہ چون در تہ دریائے لال

خلعتِ الفاظ بر قدِ معنی دوختہ — راست ہمچون جامۂ کلک تو بر بالائے نال

گر ز کلک سحر سازش نقطہ گیرد الف — پشت او از بار معنی خم شود مانند دال

بسکہ مربوط اند معنیہا بہم چون سلسلہ — جزوہا با بندِ بے شیرازہ با ہم اتصال

[1] کلیات فارسی : ملا اسد اللہ وجہی (قلمی) سالار جنگ لائبریری نمبر ۱۱۵ [2] ایضاً [3] شعر العجم : مولانا شبلی نعمانی ص ۱۰۵ (حصہ سوم)

جدا نبود کہ از بس التیام ... ریشہا در خامہ ات معنی فرو بردہ زنال
سعیہا دل بس می کنم ... کز پریشاں گفتم نگرفت صاحب را ملال
ل خود حرفی نگوئی زینہار ... تا دعا باشد کسی ہرگز نگوید شرحِ حال

غزلوں میں بھی روح الامین کی تعریف و توصیف کی ہے:

ح این شو نخو اندست کلیم ... گر ہمہ روح امین است سخنداں نشود[1]
ش زر روح امین گشت کلیم ... پس بود گر سرِ تحسین طپیدن واری[2]

قیاس اغلب ہے کہ کلیم کو ملک الشعرائی کا خطاب دلانے میں میرزا کو

کی چند تصانیف ہمارے علم میں آگئی ہیں، فارسی دیوان کے علاوہ خمسۂ نظامی
نچ مثنویاں بھی ہیں، "دکھنی کے چند تحقیقی مضامین" میں مولوی نصیر الدین ہاشمی
ح الامین کی بیشتر مثنویاں شائع ہو چکی ہیں، مگر راقم کی نظر سے روح الامین
ہ مثنوی نہیں گذری، البتہ مختلف کتب خانوں میں روح الامین کی مثنویاں
انگلستان اور پیرس کے کتب خانوں میں بھی ان کے چند نسخے محفوظ ہیں،
یہ یونیورسٹی، حیدرآباد) نے روح الامین کی ایک نادر مثنوی کا نسخہ جس کا
ن میں نہیں ہے، اپنے ایران کے سفر میں غالباً "ملیک" لائبریری میں دیکھا تھا،
کی تصانیف کا مختصراً تعارف اور تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

د :- میرزا نے اپنے فارسی مجموعۂ کلام کا نام گلستانِ ناز رکھا، اس کے

انی: شریف النساء بیگم انصاری ص ۴۷

نوری ۶۲ ش

ابتدائی صفحات میں دیباچہ بھی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ میرزا کا یہ کلام انکی عہد جوانی کی یادگار ہے، اس میں ڈھائی ہزار اشعار ہیں۔

یہ دیوان کم و بیش دو سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کے چار مخطوطے راقم کے علم میں ہیں:
ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں ہے، فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کا نمبر ۳۴ ہے، یہ نسخہ ناقص الاول ہے، سنہ کتابت، کاتب اور مقام کتابت کا کوئی ذکر نہیں ہے،
اس دیوان کے کچھ منتخب اشعار یہ ہیں:-

اے روشن از فروغِ تو شمعِ زبانِ ما ... از نورِ قدرتِ تو چکیدست جانِ ما
ما را زبان کجاست کہ وصف ادا کنم ... وصفِ ترا زبانِ تو گفت از زبانِ ما
چو قولِ ما فلک ہمہ تن گوش گشتہ است ... گردیدہ اند لوح و قلم ہم زبانِ ما
آں بیت لیک صاف تر از آبِ زندگی ... روح الامیں نظیر ندارد بیانِ ما

چہ سود بود کہ روح الامیں ز سودا کرد ... بخالِ و زلفِ تو بفروخت دین و دنیا را

تنہا نہ ہمیں روح الامیں بدر رفتہ گشتہ ... صد فوج ملک صف زدہ در پیش و پسِ ما

اے ناخدا از سعی طوفاں زیادہ شد ... آرد خدا بساحلِ مقصود رختِ ما
ما بادشاہِ مملکتِ درد و بے بخششیم ... گردوں شدست حسرتی تاج و تختِ ما

روح الامیں غم دو جہاں زانتو والیتی ... ازیں سبب بمرومِ عالم نمیرسد

ہزار قافلۂ بوئی خوش نسیم آرد ... چہ سود دل آشنا نمی آرد
بساحلے کہ دل آنجاست کشتیِ یار را ... خدا رساند اگر نا خدا نمی آرد

بیا بیا کہ تو لی آرزوی دلِ ما را ... بیا بیا کہ تو ہر درد را دوا داری
بمرگ و زندگیم احتیاج است بتو ... بچشم زہر و لب شربتِ بقا داری

...ر آتش و چشم پر آب و سینہ چاک   بگفت عشق بر روح الامین زمادادی

...رتِ اغیار شدی کار تو دشوار   اے روح امین عشق چو دشوار نبودی

...م صاحب نظر از چشم جادوئے کسے   بے نیازم کردہ از خورشید و مہ روئے کسے

...م خود ا سبک چون برگ کاہی از غمش   تا برد باد صبا آساں مرا سوئے کسے

...ردش ببیں جا کردہ در آں کنج لب   زیں سبب روح امین کردندہ ہندوئے کسے

...خسرو :- میرزا نے نظامی گنجوی کے خمسہ پر اساتذہ کے تتبع میں پانچ مثنویاں

...یں سب سے پہلے "شیریں خسرو" لکھی اور اسے محمد قلی قطب شاہ کے نام سے

... مثنوی کے ۲۱۰ صفحات ہیں، ابتدا میں چند صفحوں کا ایک دیباچہ بھی ہے،

...ش بدستِ قدرت کمروی کرمتت نہادہ تا جش الخ

... آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :-

...و صبحم سینہ بگشائی   ز چاک سینہ ام خورشید بنمائی

[شیریں خسرو]

...ظار :- اس مثنوی کے دو مخطوطے نمبر ۲۸۵ اور ۱۰۴۲ اسٹیٹ لائبریری

...یں، ان میں سے ایک کرم خوردہ ہے، اس میں آٹھ اوراق کا ایک

...ہے جس میں مصنف لکھتے ہیں :

...ز با نز ا مبخور خورشید حمد خدائے یزدال رشک خاور ساختم ہندائی

...یر العالم تفلحون، بگوش ہوش رسیدہ الخ

...ء میں تصنیف ہوئی، جب مصنف ایران میں شاہ عباس کے دربار

...ان گذار رہے تھے، شاہان گولکنڈہ کی گذشتہ قدر دانی کے اعتراف میں

...کے نام سے منسوب کی ہے، اسکے صفحات کی تعداد ۱۰۱ ہے۔ اسکے چند اشعار یہ ہیں :

تخم گنج سخن آمد نخست   ہر چہ نہ با اوست نباشد درست

... انہ چو بیالیش سخن   بسمرش افتادہ جدا از بدن

ہر چہ درین خانہ شد بیانست   گرچہ چرخست ز نام خدا است

صانعِ ایں گنبد فیروزہ رنگ   لعل طراز ندۂ پہلوی سنگ

ہر پدیدار کن اہل گہر   رہ سپرانندہ گردوں بسر

روح یقیں بخش دلِ مقبلاں   خوردہ دیدۂ صاحب دلاں

باغِ دل آباد کن از نخلِ نو   غنچہ جاں پرور از آب سرو

[از صفحہ ۵۳] مقالہ دوم در بیان کیفیت طبع آدمی و چگونگی حال او

ایکہ ترا آدم خاکیست نام   از چہ شدہ شعلۂ تو وقتِ عام

خاک تو گر دیدہ چو آتش زچہ   ہیچ ہوا ہر لک و سرکش زچہ

طبعِ تو در اصل بود سرد و خشک   از چہ شدہ گرمیش افزوں از مشک

طبع ترا سرد خدا آفرید   تا کہ شوی گنج گہر را کلید

جوش زدی تا ہمہ از سر شدی   مشک صفت دشمن گوہر شدی

خرمن شکش بگہر بار نیست   ہر گہرت لیک بپایہ گریست

خاکِ ترا ہمدم جاں کردہ اند   آدمیت نام ازاں کردہ اند

ہمدم جاں بارکش گل چرا   صاحبدل بیخبر از دل چرا

[اختتامیہ اشعار صفحہ ۱۰۶]

روح آیات شد از بیم گشت   گشت دلش ساکنِ باغ بہشت

لولوِ شہوار بیانرا بسفت   مطبع انظار بیک چلہ گفت

ستہ ز ربیع نخست — بست وشش روز دہ ساعت درست

دہ زفصلِ بہار — نوزدہ افزوں شدہ بر ہر ہزار

شکرستانِ من — گشت پُر از قند سراسر دکن [سنہ۱۰۲۶ھ]

خود عکس اوست — پیشترش دارد از ماہ دوست

نامہ بنامش تمام — بادہمش بندہ و مہرش غلام

رہ در از خوانِ او — سرخوش از بادۂ احسانِ او

عدل و داد — خاطرِ ناظم کن از عشق شاد

عفو کنش جرم کہ شرمندہ است

مردہ بتن لیک بدل زندہ است

یہ مثنوی بھی محمد قلی قطب شاہ کے نام سے معنون کی گئی ہے، دوسری

بھی چند صفحات کا دیباچہ ہے، اس میں ۱۹۰ صفحات ہیں،

شعر سے ہوتا ہے

اے حسن طراز عشق پرداز

انجام نمائے کار از آغاز

نے نظامی گنجوی کی بڑی تعریف کی ہے، اور کئی شعرا پر

لبرقج :۔ نظامی کی ہفت پیکر کے پس منظر اور اسی نہج پر لکھی

ت ہیں، اس کا آغاز ذیل کے شعر سے ہوتا ہے

آملائے — دے خرد و از بخویش راہنمائے

فروری ۲۰۰۳ء

اور اختتام ان اشعار پر ہوتا ہے

وہ سنہ کاف الف فزون زہزار — گشت کامل چو چرخ این گلزار

شد چون این کاخ سربلند تمام — گردش آسمان بہفتم بام

(۶) سکندر نامہ :۔ راقم کا خیال ہے کہ پانچویں مثنوی کا نام "سکندر نامہ" کی مناسبت سے "قطب نامہ" ہونا چاہیے، افسوس ہے کہ اس کی کوئی نقل یا مخطوطہ ہندوستان کے کسی کتب خانے میں نہیں ہے، ڈاکٹر رضیہ اکبر (پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) نے اس کا ایک نسخہ ایران کے سفر میں کسی کتب خانے میں دیکھا ہے۔

طاہر نصرآبادی حدیقۃ العالم میں لکھتا ہے کہ روح الامین کے اشعار کی تعداد بیس ہزار تھی، دست برد زمانہ کے ہاتھوں ان کا بیشتر کلام تلف ہوگیا، میرزا چونکہ نظامی سے بہت متاثر تھے، اس لیے انھوں نے بعض دوسرے شعراء کی طرح نظامی ہی کا تتبع پسند کیا، اس کے کلام میں شعری و ادبی محاسن بہت کم نظر آتے ہیں، ان کا دیوان حسن وعشق کے فرسودہ خیالات سے بھرا ہوا ہے، اس میں کوئی فلسفیانہ یا پرکشش تخیل نہیں ہے، یہی حال مثنویوں کا ہے، البتہ کہیں کہیں ندرت ادا اور جدت تخیل کی جھلک نظر آتی ہے، جہاں تک زبان وبیان کا تعلق ہے، میرزا کا طرز قدیم رنگِ سخن میں ڈوبا ہوا ہے، روزمرہ، محاورے، تلمیحات وتشبیہات میں بھی کوئی ندرت نہیں ہے، البتہ یہ چیز قابل تعریف ہے کہ گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کی مشق سخن بھی جاری رہی، اسکی بیشتر مثنویاں محمد قلی قطب شاہ کے نام سے منسوب ہیں، اگر ان کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں محمد قلی قطب شاہ کے حالات سے متعلق بہت سے نئے معلومات فراہم ہو سکتے ہیں، میرزا کے ہمعصروں میں ظہوری، ملک قمی، آتشی، عرفی، ابوطالب کلیم، وجہی، قاضی سمنانی

...الدین سبزواری تھے ایسے بلند پایہ شعراء کے سامنے میرزا کا چراغ جلنا محال
...ن پڑتا ہے کہ میرزا کو سخن فہمی اور سخن سنجی پر پورا ملکہ حاصل تھا، انھوں نے
...یسے شعراء کی سرپرستی کرکے انھیں شہرت و سربلندی عطا کی۔ پروفیسر
... ر ے میرزا کی ادبی صلاحیتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"He was a prominent literary a...
that period was distinguished for hi...
...rated imitations of Nizami's Ma...

...لق ایچ۔ کے۔ شیروانی صاحب نے اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے:۔

In spite of his obvious preoccupati...
a statesman and a soldier Mirza...
Amin found time to compose some fin...
He was so confident of his own cap...
that he, in a way, challanged su...
masterly work as the Khamsah N...
while the collection of his other po...
Gazals and quatrains called Gul...
Naz, is a valuminous book of co...
merit".

A literary history of Persian Literature...
Mohd Quli Qutub shah: H.K. Sherwa...

حوالہ جات

مصنف یا مولف	نام کتاب	صفحہ نمبر
۱۔ ؟	تاریخ قطب شاہی	ص ۲۶۴
	گلزار آصفی	،، ۳۰
۲۔ خواجہ غلام حسین خاں	منتخب اللباب	حصہ اول ص ۲۹۶، حصہ دوم صفحہ ۱۳۵
۳۔ خافی خاں		
۴۔ ویدسے۔ بی۔ این	اے شارٹ ہسٹری آف پرشین لٹریچر	ص ۱۶۹
۵۔ زور، ڈاکٹر محی الدین	سلطان محمد قلی قطب شاہ	ص ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۹، ۳۲۶
		،، ۳۴۲ تا ۳۵۵، ۳۸۴
۶۔ زور ،،	اردو شہ پارے	
۷۔ زور ،،	حیات میر محمد مومن	ص ۴۰، ۴۱، ۴۷ تا ۵۸، ۵۹، ۶۰
۸۔ شبلی نعمانی	شعر العجم حصہ سوم	،، ۱۸۵
۹۔ شیروانی، ایچ۔ کے	محمد قلی قطب شاہ [انگریزی]	،، ۵۰، ۵۹
۱۰۔ شاہنواز خاں	مآثر الامراء حصہ سوم	،، ۴۱۳ تا ۴۱۸
۱۱۔ شریف النساء بیگم انصاری	ابو طالب کلیم اصفہانی	،، ۴۲، ۴۳، ۲۴۹
۱۲۔ طاہر نصر آبادی	حدیقۃ العالم	،، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۲، ۲۵۵
۱۳۔ علی ابن طیفور بسطامی	حدائق السلاطین	مخطوطہ ص ۱۸۲، ۱۸۶
۱۴۔ عبد الجبار خاں ملکاپوری	تذکرہ شعرائے دکن	حصہ دوم ص ۴۹،
۱۵۔ عبد المجید صدیقی	تاریخ گولکنڈہ	ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۲۵۹، ۲۹۲
۱۶۔ محمد صالح کنبو	اعمال صالح	،، ۴۹۶
۱۷۔ معتمد خاں	اقبال نامہ جہانگیری	،، ۱۰۸
۱۸۔ ملا نظام الدین احمد	حدیقۃ السلاطین	،، ۱۶، ۴۲، ۴۷، ۱۳۳، ۱۸۴
۱۹۔ نور الدین محمد جہانگیر	تزک جہانگیری (ترجمہ مولوی احمد علی)	،، ۳۹۲، ۳۰۲، ۳۸۸، ۴۲۱
۲۰۔ دکنی اسد اللہ	کلیات فارسی (قلمی)	سالار جنگ لائبریری حیدرآباد

"سراجاً منیرا"

(علمی و عقلی نقطۂ نظر سے)

از

جناب محمد شہاب الدین صاحب ندوی، ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور

کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری دنیا کے لیے خالق عالم نے دو روشن
یں، ایک مادی اور دوسرا روحانی، یعنی ایک آفتاب عالم جو ہماری مادی
ن کرتا ہے اور دوسرا آفتاب رسالت جو ہماری روحانی دنیا کو منور کرتا ہے،
دنیوی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور دوسرے سے روحانیت کی آبیاری
نما ہوتا ہے، اول سے حیوانی زندگی برقرار رہتی ہے، ثانی سے اخلاقی زندگی
ہے، انسانیت کی بقا کے لیے یہ دونوں ہی ضروری و لازمی ہیں، ان دونوں
ا عدم ہمارے پورے عالم ارض کو تباہ کر دے گا، غالباً اسی بنا پر قرآن حکیم
کو "سراج" (چراغ) سے تشبیہ دی گئی ہے، سورج کے بارے میں ارشاد ہے:

ذِی جَعَلَ فِی السَّمَآءِ	بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں
جَعَلَ فِیھَا سِرَاجاً	بہت سے بروج (کہکشائیں) بنا دیے
رًا (فرقان - ٦١)	اور ان میں (تمھارے لیے) ایک چراغ (سورج)
	اور ایک روشنی دینے والا چاند بنا دیا۔

اس آیت کریمہ میں چراغ سے مراد سورج ہے، جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر وضاحت کی گئی ہے:

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجاً (نوح:١٦)	اور سورج کو اس نے چراغ بنایا۔

ایک اور موقع پر اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ یہ چراغ بہت زیادہ تابناک اور بھڑکدار ہے:

وَجَعَلْنَا سِرَاجاً وَّھَّاجاً (نبا:١٣)	اور ہم نے ایک بھڑکدار چراغ بنا دیا ہے،

اسی طرح آفتاب رسالت یعنی پیمبر آخر زماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سراج سے تشبیہ دی گئی ہے،

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ	اے نبی ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے
شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً	نگراں، مبشر اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے
وَّدَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ	نیز اللہ کی طرف سے اسی کے حکم سے بلانے والا
وَسِرَاجاً مُّنِیْراً (احزاب:٤٥-٤٦)	اور روشن چراغ بنا دیا ہے،

قرآن مجید میں لفظ "سراج" کا تذکرہ ان ہی چار مقامات میں آیا ہے، اور بجز آفتاب عالم اور آفتاب رسالت کے کسی اور شے کو سراج سے تشبیہ نہیں دی گئی ہے، اس لیے سوال یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ ان ہی دو کو سراج سے کیوں موسوم کیا گیا، اور اس میں کیا حکمت ہے؟ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، ایک سے اگر ہماری حیوانی زندگی برقرار رہتی ہے تو دوسرے سے روح کی غذا فراہم ہوتی ہے، اس مضمون میں ان ہی دو آفتابوں کی کارکردگیوں کا جائزہ لینا اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات دکھانا مقصود ہے، اس لیے پہلے سورج کی ضرورت و اہمیت کا سائنسی نقطۂ نظر سے ایک

کیا جائے، پھر نبوت و رسالت کی ضرورت و اہمیت پر ایک نظر ڈالی جائے،
آفتاب کو سراج (چراغ)، اس بنا پر کہا گیا ہے کہ اس کی حرارت اور روشنی
چاند کی طرح مستعار نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں چاند کو کسی ایک
ج نہیں کہا گیا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورج کو ایک دوسرے
ت ضیاءً اور چاند کو نورًا قرار دیا گیا ہے،

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً	وہی ہو جس نے آفتاب کو (انتہائی) روشن
نُورًا (یونس: ۵)	بنایا اور چاند کو نور بخشا۔

قواعد کی رو سے مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور مبالغہ
انتہائی نور کو ضوء اور ضیاء کہتے ہیں۔[1] اور نور وہ بے کیف چمک ہے
کسی دوسری چیز کو ظاہر کر دیتی ہو،[2] نور کا اطلاق نورِ بصیرت پر بھی
بصارت پر بھی،[3] بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ضیاء کسی چیز کی مستقل روشنی
ستعار روشنی کو، اس لیے اس موقع پر سورج اور چاند کی روشنی کیلیے
لانے کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کی کمیت و کیفیت یکساں نہیں ہے،
سائنسدانوں کا اندازہ ہے کہ سورج کی سطح کا درجۂ حرارت چھ ہزار
ں کے مرکز کا درجۂ حرارت ڈیڑھ کروڑ ڈگری ہے، یہی وجہ ہے
ل کی مسافت سے زمین کو گرم اور منور رکھتا ہے، اندازہ لگایا گیا ہے
ایک ایکڑ زمین پر ایک دن میں جتنی حرارت پہنچتی ہے، اس کی مقدار

بحوالہ لغات القرآن [2] تفسیر بیضاوی بحوالہ لغات القرآن
ت القرآن [3] مفردات القرآن بحوالہ لغات القرآن

اتنی ہے جتنی چار ٹن کوئلہ جلا کر حاصل کی جاتی ہے،
قرآن حکیم میں سورج کو نہ صرف سراج کہا گیا ہو بلکہ اسکے ساتھ "وہاج" (بہت زیادہ بھڑکتا)
بھی قرار دیا گیا ہے، جس سے غالبًا اسی بے انتہا حرارت و تپش کی طرف اشارہ مقصود
ہے، اس طرح جدید انکشافات قرآنی انکشافات ہی کی تشریح و تفسیر نظر آتے ہیں،
ذرا سوچیے تو سہی چودہ سو سال پہلے کے ناخواندہ اور غیر ترقی یافتہ معاشرہ کو سمجھانے
کے لیے اس سے بہتر کون سے الفاظ استعمال کیے جا سکتے تھے، جن سے موجودہ ترقی یافتہ
دور میں بھی ان کا مفہوم بدلنے نہ پائے!

سورج کی کار فرمائی

اب آپ اس عالم رنگ و بو میں جاری و ساری ہر قسم کے حیاتیاتی
ہنگاموں کا جائزہ لیجیے، تو آپ کو "زندگی" کی ہر ہر "حرکت" میں خواہ وہ حیوانی زندگی
سے متعلق ہو یا نباتاتی زندگی سے، آفتاب ہی کی حرارت و ضیاء فشانی ہی کار فرما نظر آئے گی، اگر سورج نہ ہو
تو ہمارا کرۂ ارض ہمیشہ تاریک رہتا، اور دنیا کے تمام سائنسدان مل کر بھی کسی ایک
خطۂ ارض کو بھی اس قدر روشن نہیں کر سکتے جس قدر سورج روشن و منور کرتا ہے،

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ	ان سے کہو کہ اللہ اگر تمہارے لیے قیامت
عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ	تک ہمیشہ رات ہی رات کر دے تو
الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ	کیا تم بتا سکتے ہو کہ اللہ کے سوا ایسا
بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ (قصص: ۷۱)	بھی کوئی دوسرا الٰہ موجود ہے جو تمہارے
	لیے روشنی لا سکے، کیا تم سنتے نہیں!

اور مسلسل تاریکی کے باعث نہ تو پیڑ پودے ہی نشو و نما پا سکتے ہیں اور نہ حیوانات ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں۔
یہ آفتاب ہی ہے جو بنی نوع انسان کو ایک پیسہ خرچ کیے بغیر ہمیشہ بالکل مفت

کر رہا ہے، اگر شمسی توانائی کے اخراج کی مقدار ظاہر کرنے والا
طرح ہمارے گھروں میں اور کارخانوں میں بجلی کا صرف معلوم کرنے
شاید نوعِ انسانی کو ہر سال اور ہر مہینہ نہیں بلکہ ایک دن کی
) ادا کرنے کے لیے ہمارے سارے خزانے خالی ہو جاتے،

یہ ہے کہ سورج اپنی روشنی و حرارت کا اخراج اور شعلہ فشانی
سے کر رہا ہو جس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوتی، اور اس کو کسی قسم کی
پیش آتی، آپ اپنے روزمرہ کے معمولات اور سورج کے
کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ آپ کے مقررہ اوقات میں کچھ نہ کچھ
خرابی واقع ہو ہی جاتی ہے، مگر سورج کی رفتار اور اس کے
میں ایک منٹ بلکہ ایک سکنڈ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی، اگر
کا نظام الاوقات معلوم ہو تو سال بھر کے کسی بھی موسم میں
کے طلوع و غروب سے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی درست

كلٌّ يجري — اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگایا،
(۲: — ہر ایک ایک مقررہ وقت کے مطابق دوڑ رہا ہے

حرارت کے بعد پانی کے مسئلہ کو لیجیے، اس موقع پر یہ بتانے
ی زندگی کے لیے پانی کی کتنی اہمیت ہے، پانی قدرت کا
کے بغیر تو ہماری پیاس بجھ سکتی اور نہ غذا ہی حاصل
ت محض پانی ہی کی بدولت سیراب ہوتے اور نشوونما پاتے ہیں،

جن سے ہمیں غلہ، پھل، میوے، ساگ پات، ترکاریاں، مسالے، حتیٰ کہ جلانے کی لکڑی، عمارتی
لکڑی، فرنیچر، دوائیں، سوتی کپڑے، ربڑ کا سامان، رسیاں، چٹائیاں، ٹاٹ، بورے، دھاگے،
کاغذ، کتابیں اور مختلف قسم کا سامان سب کچھ حاصل ہوتا ہے، گویا کہ حیوانی زندگی کا دارومدار
تمام تر نباتات پر منحصر ہے، اور نباتات پانی ہی کی بدولت نشوونما پاتے اور زندہ رہتے ہیں،
اسی طرح نہانے دھونے، کھانا پکانے، وضو کرنے اور سردی گرمی سے بچاؤ اور مکانات
کی تعمیر کے لیے بھی پانی ایک لازمی چیز اور بنیادی عنصر ہے، جس کے بغیر زندگی کے ہنگامے
ایک دن کے لیے بھی جاری نہیں رہ سکتے،

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ
اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا. ثُمَّ
شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا. وَّعِنَبًا
وَّقَضْبًا. وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا. وَّفَاكِهَةً
وَّاَبًّا. مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ
(عبس: ۲۴-۳۲)

پس انسان اپنی غذا کو غور سے دیکھے
(کہ وہ کس طرح مہیا ہو جاتی ہے) حقیقت
یہ ہے کہ ہم نے اوپر سے ڈھیروں پانی برسایا،
پھر زمین کو پھاڑ ڈالا، پھر ہم نے اس میں
(ہر قسم کے) غلے، انگور، ترکاریاں، زیتون،
کھجور، خوب گھنے باغات، طرح طرح کے میوے
اور شاداب گھاس پیدا کر دی، تمہارے لیے
بھی اور تمہارے مویشی کے لیے بھی۔

سورج ایک بھٹی

غرض یہ تمام وسائل زندگی اور حیاتیاتی کرشمے پانی ہی کی بدولت ظہور پذیر
ہوتے ہیں، اور پانی سورج کی بدولت حاصل ہوتا ہے، خلاقِ عالم نے پانی کی فراہمی کیلیے
ایک عجیب و غریب اور حیرتناک نظام مقرر کیا ہے، جس کی بدولت حیوانات و نباتات
کی زندگی برقرار رہتی ہے، کیا آپ جانتے ہیں کہ کنوؤں اور تالابوں اور ندی نالوں

...ے آتا ہے؟ آپ کہیں گے کہ بارش سے حاصل ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ خود بارش
...ے آتا ہے؟ آپ فوراً بول اٹھیں گے کہ بادلوں سے، آپ نے کبھی سوچا ہے
...ے بادل کہاں سے اور کیوں کر وجود میں آجاتے ہیں؟ آپ کا جواب ہوگا
...ینٹفک نقطۂ نظر سے دراصل پانی سے لدے ہوئے "مشکیزے" ہیں
...ہے

...ب برتن میں تھوڑا سا پانی چولہے پر گرم کیجئے، یا دھوپ میں رکھ دیجئے،
...ب دیکھیں گے کہ برتن خالی اور پانی غائب ہوگیا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ پانی
...قعہ یہ ہے کہ پانی گرمی کی وجہ سے بخارات یا بھاپ بن کر اوپر اٹھ کر
...یں پہنچ جاتا ہے، قدرت کے اس قانون کے مطابق سورج کی حرارت
...کی وجہ سے ہر منٹ کھربوں ٹن پانی سمندروں سے بخارات کی شکل میں
...ہے، اور ایک خاص بلندی پر پہنچ کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے،
...ںلق ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر ملک ملک کی سیر کرتے اور
...ب خطہ ہائے ارض کو جل تھل کر دیتے ہیں۔

...ت کی حکمت تخلیق کا ایک نرالا اور لاجواب نمونہ ہے کہ اس نے مخلوقات
...کی خاطر پانی کی فراہمی کے لیے سورج کو نوکر رکھا، جو نہ صرف ہمیں
...فراہم کرتا رہتا ہے، بلکہ ہمارے لیے سمندروں سے پانی بھی ٹرانسپورٹ
...ط سے وہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا "بھشتی" بھی ہے،

...ب ذیل آیت کریمہ میں ربوبیت کے اس سترِ نہاں پر سے پردہ اٹھایا
...دراصل سمندروں ہی سے آتا ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ	بھلا ذرا بتاؤ تو سہی کہ وہ پانی جس کو تم
أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ	پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو
أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ۔ لَوْ نَشَاءُ	یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اس کو
جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ	کڑوا کر دیتے، پھر تم شکر یہ کیوں نہیں
(واقعہ: ۶۸ - ۷۰)	ادا کرتے،

اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ بارش کا پانی درحقیقت سمندروں ہی سے آتا ہے، کیونکہ لفظ "اجاج" کے معنی کڑوے یا کھاری کے ہیں، جو سمندری پانی کھاری ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر رب العلمین مذکورۂ بالا عجیب و غریب اور حکیمانہ طریقے پر سمندری پانی کی نمکینی زائل نہ کر دیتا تو پھر صفحۂ گیتی پر کوئی بھی حیوان یا نبات زندہ نہ رہ سکتا، سب کے سب نمک بن جاتے اور پوری زمین نمک سے بھر جاتی، کیونکہ کرۂ ارض کا تقریباً ستر فیصد حصہ سمندروں ہی پر مشتمل ہے، صرف تیس فی صد حصہ خشکی، دنیا کے سمندروں میں اس قدر نمک پایا جاتا ہے کہ اگر اس کو نکال کر تمام براعظموں میں پھیلا دیا جائے تو ہر جگہ اور ہر مقام پر پانچ سو فٹ موٹی نمکین تہ بن جائے گی، اور پورے کرۂ ارض پر ایک دبیز قسم کی نمک کی چادر چڑھ جائے گی، اور تمام چیزیں اور سارے حیوانات و نباتات نمک بن کر رہ جائیں گے، اس لیے حکیم مطلق کا یہ کتنا بڑا احسان اور اس کی رحمانیت کا کتنا بڑا مظہر ہے کہ اس قسم کی ہلاکت آفرینیوں سے ہم کو محفوظ رکھا اور مخلوق پروری کی خاطر سمندروں سے حیرت انگیز طریقے سے نہایت درجہ شیریں اور حیات آفریں پانی بھی مہیا کر دیا، جس سے تمام حیوانات و نباتات سیراب ہوتے اور باغ و بہار کے مزے لوٹتے ہیں، جس سے انسانوں کیلئے شکر گذاری ضروری ہے،

...کروں" کا یہی مقصد ہے۔

...ب باورچی

روشنی، حرارت اور پانی کے بعد اہمیت کے لحاظ سے غذا کا نمبر
...سائنسی تحقیقات سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ سارے نباتات صرف
...ت سورج کی روشنی ہی میں "غذا" تیار کرتے ہیں، سائنٹفک نقطۂ نظر سے
...رخت کی پتیوں میں نہایت درجہ ننھے ننھے ہرے رنگ (کلوروفل) کے خوردبینی
...ے ہیں، جن کو سائنسی اصطلاح میں کلوروپلاسٹ (Cheoro Peast)
...ان ہی ذرات کی بدولت پتیاں ہری دکھائی دیتی ہیں، یہی وہ حیرت انگیز ذرات
...ج کی کرنوں کے تعامل سے پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو آمیز کر کے شکر،
(Carbohydr... میں تبدیل کر دیتے ہیں، جو نہ صرف پودوں کی بلکہ تمام
...ں بنیادی غذا ہے، ہمارے جسم میں گرمی و حرارت اسی سے پیدا ہوتی ہے،
...یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ غلوں، پھلوں، دالوں اور مختلف قسم کے میوہ جات
...بوہائیڈریٹ ہی پر مشتمل ہوتا ہے، جو صرف سورج کی روشنی ہی میں پیدا ہوتا
...ھتا ہے، سورج کے اس تعامل کو سائنس کی اصطلاح میں "شعاعی ترکیب"
...Photosynt کہتے ہیں۔

...كُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو کام میں
...نِ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ	لگا یا (جو تمھارے لیے مختلف قسم کی خدمتیں
...فَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ	انجام دیتے ہیں) ان میں سے ہر ایک اپنا
...بِّكُمْ تُوقِنُونَ	بالکل مقررہ وقت کے مطابق دوڑ رہا ہے
	وہ اللہ تمھارے تکوینی و تشریعی تمام معاملات

کی تدبیر کر رہا ہے اور اپنے نشانات و
دلائل (ربوبیت) کھول کھول بیان
کر رہا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات
کا یقین کر سکو۔

(رعد : ۲)

اسباب اور مسبب الاسباب

اس آیت کریمہ میں یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح کر دی گئی کہ اس کارخانۂ عالم میں اگرچہ علت و معلول کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے اور مظاہر فطرت میں مختلف خواص وطبائع رکھے گئے ہیں، مگر یہ مستقل بالذات نہیں ہیں، بلکہ ان سب کی باگ اور زمام کار مدبر کائنات کے دست قدرت میں ہے، جیسا کہ تنبیہاً فرما دیا "یُدَبِّرُ الْأَمْرَ" یعنی تمام معاملات کی تدبیر اصل میں وہی کر رہا ہے، اس لحاظ سے یہ ظاہری اسباب وعلل بے جان پتلیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، جن کے پس پردہ ایک منظم ہستی کی کارفرمائی جلوہ گر ہے، اس لیے نوعِ انسانی کو ان ظاہری اسباب وعلل میں الجھ کر شرک اور مظاہر پرستی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، یہ کارخانۂ فطرت ایک منظم پیمانے پر عبرت و بصیرت حاصل کرنے اور فکر و نظر میں جلا پیدا کرنے کی غرض سے تخلیق کیا گیا ہے، جن کے ذریعہ ایک شاہد حقیقی کا سراغ لگایا جا سکے جس کے جلووں سے صفحۂ کائنات کے تمام اوراق روشن و منور ہیں۔

آفتاب ہر فن مولا

یہ چند بڑے بڑے فوائد ہیں، جو ہم کو اس نیر آسمانی سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں، مثلاً سورج ہی کی بدولت ہمیں بہت سی بیماریوں سے نجات ملتی ہے، اگر سورج نہ ہوتا تو بیماریاں پھیلانے والے جراثیم کا دور دورہ ہوتا، جو کرۂ ارض کو تباہ کر کے رکھ دیتے، کیونکہ ان جراثیم کی شرح پیدائش نہایت درجہ

. مگر سورج کی روشنی و گرمی ان جراثیم کو نابود کر دیتی اور ان کو بہت بڑی
اور محدود کر دیتی ہے، اسی طرح آفتاب کی تمازت سے مختلف قسم کی نمی اور
ر ہو جاتی ہے جو بیماریاں پھیلانے کا باعث ہیں، غرض آفتاب اور اسکے نظام میں بے انتہا حکمتیں
ریں، جنکے مطالعہ سے نقاشِ فطرت کی بیمثال صناعی ظاہر ہوتی ہے۔ فتبارک اللہ
الخالقین۔

(۲) آفتابِ رسالت

یہ آفتاب عالم اور چراغ فلک کی حقیقت و ماہیت اور اسکی کارکردگیوں
رسا جائزہ ہے، اب آفتاب رسالتؐ اور اس کی ماہیت و کارکردگی کا بھی
لے لیجئے، اس سے معلوم ہوگا کہ جس طرح چراغ فلک سے ہماری مادی زندگی
وریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح چراغ رسالت سے ہماری روحانی
حاجتیں بھی پوری اور اس کے نقش و نگار آراستہ ہوتے جاتے ہیں،
کہ جس خدا نے بنی نوع انسان کی مادی زندگی کی بقا کے لیے اس قسم
ہو اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان کی تمام ضروریات پوری کرتا چلا جا رہا ہو
روحانی سدھار اور اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تہذیب سے غافل
ہے،

ب عنکم الذکر ... کنتم قوما مسرفین (الزخرف: ۵)	کیا ہم تمھاری سبق آوری سے اس لیے رک جائیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو؟

ان دو آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں،
رسالت پر روشنی پڑتی ہے،

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے نبی ہم نے آپ کو (تمام لوگوں کیلیے)
شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا	شاہد، مبشر اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے،
وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ	نیز (اس نے آپ کو) اللہ کی طرف بلانے والا ـ
سِرَاجًا مُّنِیْرًا (احزاب۔ ۴۵۔۴۶)	اسی کے حکم سے ـ اور روشن چراغ بنا دیا ہے

اس آیت کریمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ صفات سے متصف کیا گیا ہے،
(۱) شاہد (۲) مبشر (۳) نذیر (۴) داعی الی اللہ (۵) اور سراجا منیرا یعنی روشن چراغ ۔
اور پیغمبر آخر زماں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، قرآن مجید کے کسی دوسرے مقام
پر اتنی جامع انداز میں مذکور نہیں ہیں، ان صفاتِ نبوی سے منکرین حدیث کا یہ خیال
باطل ہو جاتا ہے کہ رسول کی حیثیت محض قاصد یا نامہ بر کی ہوتی ہے، اور ثابت ہوتا ہے
کہ وہ ایک داعی بھی ہوتا ہے، اور متنبہ کرنے والا بھی، شاہد بھی ہوتا ہے اور نگران کار بھی،
جس کا اسوۂ حسنہ (نمونۂ زندگی) سب کے لیے واجب العمل اور جس کی اطاعت واجب التعمیل
ہوتی ہے، اسی لیے اس کو "سراجا منیرا" کہا گیا ہے، رسول کے منصب پر حسب ذیل آیۃ
پوری روشنی ڈالتی ہے،

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی
رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ	کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو ان کو
اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ	خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک
الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ	وصاف کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت
(جمعہ: ۲)	کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں رسول کے چار فرائض شمار کرائے ہیں، (۱) تلاوت آیات ،

س (۳) تعلیم کتاب اور (۴) تعلیم حکمت، اگر غور کیا جائے تو یہ چاروں امور اوپر
ع صفات ہی کے دائرہ میں گھومتے نظر آئیں گے، صرف اسلوب اور تعبیر کا فرق
ت سے یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کی تشریح وتفسیر کر رہے ہیں،

ت | اگر منصب رسالت صرف نامہ بری تک محدود ہوتا تو اس کے لیے
ت" کافی تھی، تزکیۂ نفوس اور کتاب وحکمت کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی،
ی و روحانی انقلاب برپا کرنے اور اخلاق و روحانیت کی تربیت اور
لوگوں کی ٹریننگ بھی ضروری ہے، محض وعظوں اور لیکچروں سے دنیا
ی نہیں ہوسکتی، اسی لیے "تزکیۂ نفوس" اہداف رسالت کا ایک اہم
شانہ قرار دیا گیا ہے، یعنی رسول کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں
کے ذریعہ ان کے دلوں سے دنیاوی آلودگیوں کو نکال کر پاک وصاف
سان کی طرح رہنا سکھائے، ان کی سیرت کو سنوارے، انھیں نظام عدل
در ایک ایسی جماعت تیار کر دے جو دوسروں کی اصلاح وتربیت کا
ے سکے۔

هَدَآءَ عَلَى النَّاسِ — تاکہ تم نوع انسانی پر شاہد بن سکو
رَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ — اور رسول تم پر شاہد رہے

(بقرہ: ۱۴۳)

ت کا لفظ بہت وسیع مفہوم میں ہے، جس میں یہ مفہوم بھی داخل ہوسکتا
احزاب میں رسول کو "شاہد" (نگراں) قرار دیا گیا ہے، جو رسالت کا اہم
ت ہے، اور اسی بنا پر اس کو "روشن چراغ" بھی کہا گیا ہے، یعنی

جس کی روشنی سے پوری روحانی کائنات منور اور بقعۂ نور بن جائے اور انسانیت کی تمام اخلاقی بیماریاں دور ہوجائیں، جس طرح آفتاب سے انسان کی تمام مادی ضروریات پوری اور بہت سی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مقصد عظیم محض "نامہ بری" سے حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے تربیت ونگرانی بھی ضروری تھی،

تزکیۂ نفوس کا صحیح مفہوم ہے ایک مقررہ "ٹریننگ کورس" یعنی "تلاوت کتاب" یا کتابی نظریات وتعلیمات کو عملاً برت کر سکھانا اور پوری زندگی کو ربانی منشا و مقصد کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھالنا جس کی بنیاد فکر آخرت پر ہو، حقیقت یہ ہے کہ جب تک نفوس کا تزکیہ نہ ہوگا، نہ ان کی صحیح روحانی تربیت ہوسکے گی، نہ انسانی دل ودماغ خدا پرستانہ جذبات سے معمور ہوسکیں گے، نہ عمل صالح پیدا ہوسکے گا، نہ انفرادی واجتماعی زندگی میں انسانی اعمال کی تطہیر ممکن ہوسکے گی، جس معاشرہ میں تقویٰ، للّٰہیت اور اخلاص کا فقدان ہوگا وہ کبھی نہیں سنور سکتا، اس میں تہذیب وشائستگی کے برگ وبار نہیں آسکتے، برائیوں اور خود غرضیوں کا خاتمہ نہیں ہوسکتا، انسانیت کی سطح بلند نہیں ہوسکتی، نفسانی خواہشات اور برائیوں کا استیصال نہیں ہوسکتا، اور ملکوتی صفات پیدا نہیں ہوسکتیں، غرض تزکیۂ نفوس کے بغیر ایک صالح، پاکیزہ اور متوازن معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں، کوئی انسان کسی استاد اور رہبر کی مدد کے بغیر محض کتابیں پڑھ کر ایک ماہر ڈاکٹر، جراح اور انجینیر وغیرہ نہیں بن سکتا، "تعلیم کتاب" سے دراصل صرف فکری ونظریاتی تبدیلی ہوتی ہے، زندگی میں انقلاب تزکیۂ نفوس سے پیدا ہوتا ہے، ایک سے فکر ونظر کی اصلاح ہوتی ہے اور دوسرے سے عمل وکردار کی تعمیر ہوتی ہے، پہلی چیز دل ودماغ کی صفائی کرتی ہے، دوسری چیز

یر کرتی ہے، غرض تزکیۂ نفوس ہی سے تقوٰی وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت کے
ا ہوتے ہیں، جن سے انسانیت کی تعمیر نو ہوتی ہے،

ا اسلام میں تصوف کی اصل غرض وغایت در اصل نفوس کا تزکیہ (صیقل کرنا)
کو دور کرکے دل کو خوف وخشیت الٰہی سے معمور کرنا ہے، تاکہ انسان اپنے
حاضر وناظر سمجھے اور جس چیز کو وہ "تعلیم کتاب" سے حاصل کر چکا ہے، اس کو
اپنی زندگی کو اس میں ڈھالنے کی کوشش کرے، حدیث میں ہے:

اللہ کانک تراہ	تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم
ن تراہ فانہ یراک	اس کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو
	تو (کم از کم اتنا تو ضرور تصور کرو کہ) وہ تم کو
لم شریف)	ضرور دیکھ رہا ہے۔

ت سے مراد محض نماز روزہ ہی نہیں بلکہ عبدیت کے تمام مظاہر مراد ہیں،
دہ نماز روزہ سے متعلق ہو یا معاشرتی زندگی سے، انفرادی معاملات سے
مور سے، قومی زندگی سے متعلق ہو یا بین الاقوامی روابط سے، ہر حال میں خدا
ی مرضی ومنشا کے مطابق ہونا چاہیے، ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشان مقصد بغیر عملی تر بیت
روں سے حاصل نہیں ہو سکتا، اور یہ اعلیٰ اوصاف وصفات بغیر تربیتی
کے رٹ لینے سے پیدا نہیں ہو سکتے، بقول علامہ اقبال ؎

ملق بے شکار	شریک شورش پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
تو کیا حاصل	دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(باقی)

سیاست میں اسلام

(۴)

مترجمہ محمد نعیم ندوی صدیقی رفیق دار المصنفین

الجزائر

آزاد الجزائر میں اسلام کا کردار نہایت اہم اور بحث طلب موضوع ہے، کیونکہ الجزائری باشندہ کے لیے اپنی انفرادی اور قومی شخصیت کو اجاگر کرنے کا ایک اہم ذریعہ اس وقت مذہب ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ الجزائر ابھی حال ہی میں ایک یورپین اور عیسائی طاقت سے شدید جد وجہد کے بعد آزاد ہوا ہے، اور اس بیرونی طاقت نے وہاں کی ثقافت پر ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک نہایت گہرا اثر ڈالا اور اس کے متمول طبقہ کو کافی حد تک اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے، اس لیے وہاں مذہب کے دو محاذ ہیں، ایک ثقافتی اور دوسرا سیاسی، دوسرے الفاظ میں انہیں اعتدال پسند اور اسلام نواز گروہ بھی کہہ سکتے ہیں،

پہلے طبقہ کا نظریہ ہے کہ الجزائری انقلاب جو ابھی اپنی سماجی منزل تک محدود ہے اس کا رخ ایک سیکولر قوم پرست اور سوشلسٹ نظام کی طرف ہونا چاہیے، الجزائر کو ایک ایسی خود کفیل ریاست بننا ہے جو دنیا کی ترقی پذیر اقوام کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہو سکے، اس لیے وہاں کے مارکس نواز اور ترقی پسند اپنے نظریات کی روشنی میں مرحوم جمال عبدالناصر

ید رٹیٹو اور کیسٹرو سے زیادہ قریب ہیں، زبانی طور پر وہ لوگ الجزائر کے اسلامی

م بھرتے ہیں، اس پر ممنونیت کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ عہد غلامی میں قومی

ئم رکھنے اور سیاسی انقلاب کی جد و جہد کو آگے بڑھانے میں اس کردار نے

صہ لیا ہے، لیکن اب جبکہ آزادی کی صبح روشن ہو چکی ہے، وہ مذہب کو

اہمیت دیتے ہیں،

طبقہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تعمیری انقلاب کا رخ اسلام کی مسخ شدہ

یل مدت تک کچلی ہوئی روح کو از سر نو زندہ کرنے کی طرف ہونا چاہیے

ی کے اثرات سے محفوظ رکھا جا سکے، لیکن یہ دونوں متضاد نظریے محض

شتر الجزائری یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ وہ ان دونوں میں فی الواقع کس کے

وں کی تعداد بہت مختصر ہے جو ان نظریات میں سے کسی ایک کے واضح

ور اسلام پرستی کی یہ کشمکش آزادی کی جد و جہد کے دوران اس عہد کی

ظاہر ہوئی، مثالی الحاج (Messali al-Hadj) پہلے

الجزائر کی مکمل آزادی کا نعرہ لگایا، ان کی نظر میں مستقبل کے لیے

یک مسلم اور سوشلسٹ ریاست ہوگی، اسی دور ان میں فرحت عباس

ساوات کی بنیاد پر مکمل انضمام کے حامی تھے، چاہتے تھے کہ مسلمان

نفیت کا محض ایک جزو بنا کر رکھیں، وہ فرانس کی باغی "علمائے" نام کی

ر تھے، جسے شیخ بن بدیس نے ۱۹۳۱ء میں قائم کیا تھا، اس جماعت

انضمام کو رد کرنا، اور عوام میں پھیلی ہوئی مذہبی برائیوں کو دور کرنا تھا

ذوری ۱۹۶۲

اس لیے بعض علماء کے اراکین نے عربی و اسلامی علوم کو وسعت دی، انقلاب کی تحریک

اگرچہ ان لوگوں نے شروع نہیں کی تھی، لیکن جلد ہی یہ لوگ آزادی کے طرفدار

بن گئے،

فوجی انقلاب کے بیشتر قائدین جدت پسند تھے، لیکن وہ اس کو بھی پوری طرح

محسوس کرتے تھے کہ مذہب کی جڑیں عوام خاص کر ناخواندہ طبقہ کے دلوں میں نہایت

گہری جمی ہوئی ہیں، اور انہی عوام کو بغاوت کے لیے تیار بھی کرنا تھا، یہ کوئی تعجب

کی بات نہیں ہے کہ قومی محاذ آزادی، شراب کے استعمال کو غداری قرار دیتا تھا،

اور نقاب کو بھی، جو الجزائر کی ثقافت کا ایک حصہ تھا، فرانس سے انضمام کے خلاف

ایک اہم قدم شمار کرتا تھا، پھر بھی بیشتر مجاہدین آزادی نے مذہب کو اپنا مقصود

نہیں بنایا بلکہ اسے سماجی تعمیر نو اور قومی آزادی کی راہ میں ایک وسیلہ اور منزل

شمار کرتے تھے، اور ۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۲ء کے درمیان اسلامیت اور جدیدیت دونوں

کے علمبردار قومی آزادی کو ترجیح دیتے رہے،

آزادی کے ساتھ ہی مذکورۂ بالا دونوں طبقوں کی کشمکش بالکل سامنے آگئی

یہ صحیح ہے کہ بعض امور میں بن بدیس کے ورثہ اور ترقی پسند دونوں متفق الرائے

ہو جاتے تھے، لیکن اس وقت بھی ان کے دلائل اور انداز فکر میں کافی اختلاف ہوتا تھا،

اسلام نواز طبقہ جن مذہبی رواجوں کو بدعت اور مذہب کی راہ میں رکاوٹ شمار

کرتا تھا، ان کو جدیدیت پسند طبقہ بھی معاشرہ کی تعمیر نو میں سنگ راہ تصور کرتا تھا، مگر

جد و جہد آزادی میں علماء کے نمایاں کردار کی وجہ سے ان کی عزت ضرور تھی، لیکن

ان لوگوں کو ملک کی سیاسی زندگی سے دور رکھا جاتا تھا، اور دور غلامی کی طرح

ت مذہب پر حاوی رہی، مثلاً اوقاف پر اس کا مکمل اقتدار تھا، اور آج تک
طور پر تسلیم شدہ کوئی مسلم تنظیم نہیں ہے،

در بن بیلا اور ان کے ہمنوا مذہب اور عوام کے گہرے رشتے سے
قف تھے، اس لیے انھوں نے اسلام کو قانونی درجہ میں رکھنے سے
ہمسایہ ملک تیونس کے صدر بورقیبہ نے اسلام کو جس طرح جدید بنانے
، بن بیلا نے اس سے بھی پرہیز کیا، شراب مسلمانوں کے لیے غیر قانونی
وزے کی پابندی سختی سے ہونے لگی، ۱۹۵۴ء میں قومی محاذ آزادی
ں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عوام کو حتی المقدور روزے رکھنے کا پابند
یر برمازہ حتی کہ کمیونسٹ رجحان والے محمد حربی بھی اسلام کو الجزائر کی
ت کا ایک اہم جزو شمار کرتے تھے، اپریل ۱۹۶۴ء میں جب قومی
کانفرنس منعقد ہوئی تو مسلمانوں نے بن بیلا کو مجبور کیا کہ وہ کمیونسٹ
Alger Republicain کی اشاعت پر قانونی پابندی عائد کریں،
منظور کیا گیا جسکے مطابق عورتوں کی تعلیم و تربیت ضروری قرار دی گئی، الجزائر کے اہم اخبا
ڈیٹر حربی کو ہٹا کر ان کی جگہ عمر اوزیگین کو مقرر کیا گیا، جو کبھی
، مگر اب وہ اسلام اور عربی رجحانات کے دشمنوں پر کھلم کھلا حملہ
کی مذمت کرتے تھے جو غیر ملکی نظریات کے ذریعہ الجزائری انفرادیت
ب بن بیلا نے اصلاحی اقدامات شروع کیے تو اسلام پرستوں
میں سے بنانے کی شدید مخالفت کی، ان مخالفین میں بن بدیس
ش پیش تھے، وہ انجمن مصلحین "علما" کے صدر تھے، اس لیے شر

فروری [illegible]
بیرونی باشندوں کی متروکہ زمینوں کو قومی ملکیت میں لیکر انھیں کسانوں کے اجتماعی نظام کے تحت کر دیا گیا، گو یہ زمین الجزائر کا سب سے زرخیز حصہ تھی، لیکن اس کا رقبہ اس زمین کے مقابلہ میں کچھ نہ تھا، جو اب بھی مسلم کسانوں کی ملکیت میں تھی، اس زمین کو آج تک قومی ملکیت میں لینے کی ہمت حکومت کو نہ ہو سکی،

گورنمنٹ کو اس اقدام سے باز رکھنے کا سبب یہ نظریہ تھا کہ سوشلزم اور اسلام کبھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتے، اور مذہب اسلام کے اصول و روایات اور نجی ملکیت کے درمیان گہرا رشتہ ہے، جدت پسند طبقہ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ ابتدائی دور میں اسلام خود ایک سوشلسٹ نظام تھا، جو امیروں کو غریبوں کے استحصال سے روکتا تھا، اسلام اور سوشلزم کی ہم آہنگی یا تضاد اور اسلام و سرمایہ داری کے درمیان لزوم ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر مسلم ملک میں بحث جاری ہے،

جون ۱۹۶۵ء میں بن بیلا کا زوال اگرچہ سیاسی وجوہ سے ہوا، خصوصاً اس وجہ سے کہ جس طرح وہ الجزائر کی ہر تنظیم پر حاوی تھے، اسی طرح فوج پر بھی حاوی ہونا چاہتے تھے، لیکن الجزائر کے عوام کو بن بیلا کے زوال کا قطعی صدمہ نہیں ہوا، اس کا خاص سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام کو یہ باور کرانے میں ناکام رہے تھے کہ اسلام کے ساتھ ان کی وفاداری محض زبانی یا سیاسی نہیں ہے، انکے نکتہ چینوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ بن بیلا "لینن امن انعام" ملنے کے بعد حد درجہ مغرور ہو گئے تھے، اور انھوں نے مراکش سے سرحدی تنازعہ کے موقع پر چینی طرز کی نیلی وردی رائج کر کے لوگوں کو اور زیادہ ناراض کر دیا تھا، انہی کے دور صدارت میں الابراہیمی

رکر کے اس کو اذیت پہنچائی گئی تھی ،

ءِ میں جب ابراہیمی کا انتقال ہوا تو بن بیلا نے اس کے جنازہ میں
کی ، حالانکہ الجزائر کی موجودہ تاریخ میں اس کا جنازہ انکی مقبولیت
ت کا سب سے بڑا نمونہ تھا ، بن بیلا کے مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے
ں دنوں میں وہ محمد حربی جیسے مارکسی مشیروں کے بہت زیادہ

ہ اپنی سوانح عمری میں بن بیلا پر بعض ایسے الزامات لگائے ہیں جس سے
ہمنواؤں کے اسلام کو نظر انداز کرنے کی ذہنیت پر روشنی پڑتی
ان لوگوں میں شمار کرتے ہیں جو بیرونی اصطلاحات اپنانے کی کوشش
ان کی اصطلاحات کچھ فرانسیسی اور کچھ روسی نوعیت کی ہیں ، یہ لوگ
وام کی روح سے قطعی واقف نہیں ، وہ ایسے بیرونی کیڑے ہیں
و تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں ، ملک بنابی عرصۂ دراز تک اسلام میں
رنے کی کوشش میں رہے ، اور اس وقت وہ الجزائر یونیورسٹی میں
یں ،

سے بھی زیادہ شدید حملے محمدی سعیدی نے کیے ہیں ، وہ الجزائر
رہ پر فائز رہ چکے ہیں ، اور اب نئے حکمرانوں سے اپنی وفاداری
لہ " افریقی انقلاب " جولائی ۱۹۶۵ء میں لکھتے ہیں :-
ونا تو درکنار ، بن بیلا الجزائر میں اسلام سے بالکل ہی مختلف
نے کے لیے کوشاں تھے ، یہی سبب ہے کہ مذہب پرست طبقہ آج

بن بیلا جیسے عوام دشمن اور اسلام دشمن کے لیے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا ."

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ۱۹ جون ۱۹۶۵ء کے انقلاب میں بن بیلا کا آفتاب اقبال غروب ہونے کے بعد مارکس نواز مثلاً محمد حربی ، حسین زہونی ، بشیر حاجی علی وغیرہ خاص طور پر نشانہ بنائے گئے ، الجزائر کے موجودہ صدر کرنل بومداین کی مخالفت کا بڑا سبب جدیدیت پسندوں کی نگاہ میں یہ ہے کہ وہ بومدین میں ایک خاص قسم کی مذہبیت ، آمریت اور بورژوائیت کی آمیزش ہے ، جامع ازہر کے فارغ التحصیل ہیں ، اور اس لحاظ سے تمام الجزائری لیڈروں میں ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ، کیونکہ ملک کے دوسرے تمام قائدین فرانسیسی تعلیم یافتہ ہیں ،

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ، بن بیلا کے زوال میں دیگر عوامل کے ساتھ ایک بڑا سبب اُن کی غیر اسلامی روش تھی ، مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ انکے بعد کے اربابِ حکومت الجزائری سماج میں اسلام کی روح پھونکنے پر مستعد ہیں ، خود بومداین کو بھی کٹر اسلام پرست سمجھنا صحیح نہیں ہے ، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جن اہل قلم کی تحریروں اور خیالات کو پسند کرتے ہیں ان میں " فرانس فینن " کا نام بھی ہے ، یہ وہ شخص ہے جو انقلابی افریقہ میں نیگرو تحریک سے وابستہ ہے ، اور جس نے اپنی تحریروں سے الجزائر کی جد وجہد حریت میں نمایاں رول ادا کیا ، ہے ، ایک زمانہ میں وہ قومی محاذ آزادی کے آرگن " المجاہد " کا اڈیٹر بھی رہ چکا ہے ، غرض فینن نظریاتی طور پر بالکل سیکولر رہے ،

کرنل بومدائن نہ تو یونیورسٹی کے طلبہ کے مخالف ہیں اور نہ فرانس میں الجزائری

م سے انھیں کوئی مخاصمت ہے ۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ الجزائری
نیادی اصولوں سے منحرف ہیں ، جو ۶۳ء اور ۶۴ء میں ترتیب دیے گئے
تھے ، یہ اصول تعلیم میں اسلام کی مداخلت اور ملک کے اصل مسائل
ن کی مذمت کرتے ہیں ، ۶۴ء کے قانون میں اگرچہ اس کو
الجزائر ایک اسلامی عرب حکومت ہے" لیکن اسی مسودہ میں
کی عرب اسلامی حیثیت اسے کسی خاص طرز زندگی کا پابند نہیں
ائری انقلاب اسلام کو اس کی صحیح اور ترقی یافتہ شکل میں پیش کرنے
ان دونوں تجویزوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ الجزائر کا
ور سائنٹفک ہونا چاہیے ، بنابی اور اوزگین جیسے دانشوروں
دہ اسلام اور آفاقی انسانی قدروں میں کوئی تضاد نہیں ہے ،
نی جو ایک مشہور مصلح ہیں ، کہتے ہیں کہ اسلام خود سوشلسٹ ہے ،
ت پر مبنی ہے ، اس لیے ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں میں اسلام نواز
نوں میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو جائے ، موجودہ وزیر تعلیم
ی کے فرزند اور فرانسیسی تعلیم یافتہ ہیں) ایسی مفاہمت کے
رگرم رکن ہیں ،

وں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر الجزائری معاشرہ کو کسی ایک
راہ وہ جدیدیت پسندی کا ہو یا مارکسیت کا یا مکمل طور پر اسلامی)
ار پیدا ہوگا ، اور ملک کا مستقبل خطرہ میں پڑ جائے گا ، اس سے
نوں طبقوں کے درمیان مصالحت و مفاہمت وقت کی ایک

اہم ضرورت ہے ، لیکن فی الحال اس سے بھی شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ ان دونوں ہی نظریات کو اعتدال کے ساتھ پنپنے دیا جائے ، کیونکہ الجزائر میں ہمیشہ روایت پسندی اور جدیدیت کے درمیان کشمکش جاری رہے گی ، اور جب بھی کسی ایک کی طرف زیادہ جھکنے کا رجحان پیدا ہوگا تو دوسری سمت مخالفت میں شدت پیدا ہوگی ۔

(نوشتہ :۔ ڈاکٹر ڈیوڈ سی ، گارڈن ۔ پروفیسر تاریخ یورپ امریکن یونیورسٹی ، بیروت)

اضافہ از مترجم :۔

فاضل مقالہ نگار نے مذکورہ بالا سطور میں الجزائر کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں سرسری اشارات پر اکتفا کیا ہے ، اور ان تفصیلات کے ذکر سے بالکل سکوت اختیار کیا ہے جو نہ صرف الجزائر بلکہ عالمی تاریخ کا ایک زریں باب ہیں ، فرانس کے چنگل سے رہائی کے لیے کامل ساتھ سال تک جانفروشی اور دس لاکھ فرزندوں کا خون دیکر حصول آزادی کی مثال شاید ہی کہیں اور مل سکے ، اس لیے ذیل میں الجزائر اور اس کی تحریک حریت کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے ،

الجزائر جسے انگریزی میں الجیریا اور الجیرز بھی کہا جاتا ہے ، شمالی افریقہ کا ایک بھاری مسلم اکثریت کا خطہ ہے ، اس کے مشرق میں لیبیا و تیونس ، مغرب میں مراکش ، جنوب میں مالی و نائجر اور شمال میں بحر روم واقع ہے ، اس کا رقبہ ۲۳ لاکھ ۸۱ ہزار سات سو اکتالیس مربع کیلومیٹر ہے ، یہاں مسلمان نوّے فیصدی ہیں ، رقبہ کی وسعت کے مقابلہ میں آبادی کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے کا بیشتر جنوبی حصہ صحرا پر مشتمل ہے جو بالکل غیر آباد ہے ،

الجزائر چونکہ فرانس کے جنوبی ساحل کے عین بالمقابل واقع ہے ، اس لیے وہ ہمیشہ

...ریں . . . . نگاہوں کا بدنما رہا، انیسویں صدی کے اوائل تک اس پر
...رہا، ۱۸۳۰ء میں فرانسیسی مسلح افواج نے دوسری مغربی طاقتوں سے ساز باز
...پر حملہ کر دیا، عثمانی فوجوں نے حتی الوسع مقابلہ کیا، مگر آخر میں جدید ترین
...شکست کھا کر پسپا ہو گئیں، اور الجزائر پر فرانس کا تسلط ہو گیا،
...نے الجزائر پر حملہ کا یہ جواز پیش کیا ہے :-

...بحری قزاقوں کی کمین گاہ بنا ہوا ہے، جن سے نکل کر وہ بحر روم سے
...الے جہازوں کی لوٹ مار کرتے ہیں، ہم نے پہلے ترکی حکومت سے انکے
...یت کی، لیکن اس نے اپنی بے بسی اور عجز کا اظہار کیا، لہذا اس علاقہ
...امن کی خاطر ہمارے لیے ان بحری قزاقوں کی سرکوبی بہت
...؛

...دلیل میں کسی حد تک صداقت کا عنصر بھی موجود ہو، جیسا کہ بعض
...ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہ کرنا چاہیے کہ صرف بحری
...ہی الجزائر پر حملہ کا اصلی سبب نہیں ہو سکتی، بلکہ فرانس کے بہت سے
...وابستہ تھے، جس کی فکر میں وہ عرصہ دراز سے تھا، اور آخر میں
...ایک بہانہ ہاتھ آگیا،

...کے بعد اگرچہ الجزائر پر فرانس کے پنجے مضبوطی سے جم گئے، تاہم
...کے سینوں میں آزادی کی آگ برابر شعلہ زن رہی، اس سلسلہ میں
...رناموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، جس نے ۱۸۳۲ء میں فرانسیسی
...انگیز استقلال اور مدبرانہ رہنمائی کے ساتھ تا بعض حکمرانوں کا

مقابلہ کیا، اس جد و جہد آزادی میں عبد القادر کو فرانس کی حربی طاقت کے سامنے پے در پے شکستیں اٹھانی پڑیں، لیکن اس کی ہمت میں فرق نہ آیا اور وہ برابر مقابلہ کرتا رہا، بالآخر ۱۸۴۷ء میں گرفتار کر کے فرانس میں نظر بند کر دیا گیا، اس کے بعد یہ المیہ بھی لائق ذکر ہے کہ فرانسیسی حکمرانوں نے نظر بندی میں الجزائر کی تحریک آزادی کے اس ہیرو کی "تطہیر ذہنی" کچھ اس عیاری سے کی کہ پھر ۱۸۵۲ء میں رہائی کے بعد وہ اپنے عوام کا نہ ہو سکا اور عالم خمولیت میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی،

عبد القادر کے بعد الجزائر میں پھر کوئی اتنا بڑا مدبر اور ہر دلعزیز قائد نہ ابھر سکا، لیکن جد و جہد آزادی کا کارواں اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا رہا، ۱۸۵۷ء میں عین اس زمانہ میں جب ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف آزادی کا علم بلند ہوا، الجزائر میں بھی حریت پسندوں اور غاصبوں کے درمیان بڑی خوفناک جنگیں ہو رہی تھیں، فرانس نے تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے جس وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا، اس کی داستان تاریخ میں محفوظ ہے، لیکن ان سب کے باوجود ابنائے وطن کے دلوں میں جذبۂ حریت کی چنگاریاں سرد نہ ہو سکیں،

بالآخر بیسویں صدی کے نصف ثانی میں حریت پسندوں کی قربانیاں رنگ لائیں اور شمالی افریقہ میں آزادی کی نسیم چلنا شروع ہوئی، چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۵۱ء میں لیبیا اٹلی کے پنجۂ تسلط سے آزاد ہوا، اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں سرفروشانِ مراکش کی جد و جہد آزادی کامیابی سے ہمکنار ہوئی، پھر ۱۹۵۶ء میں ٹیونس نے فرانس کے چنگل سے رہائی حاصل کی اور سب سے آخر ۱۹۶۲ء میں الجزائر نے بھی طوق غلامی اتار پھینکا، (مراکش کے بارے میں راقم الحروف کا ایک تفصیلی مقالہ معارف بابت اکتوبر ۶۹ء میں شائع ہو چکا ہے)

نکار ممکن نہیں کہ الجزائر کی آزادی میں احمد بن بیلا نے بہت نمایاں کردار
ہر انقلابی کچھ عرصہ کے بعد ڈکٹیٹر کا روپ اختیار کر لیتا ہے، اسی طرح بن بیلا
ن لیا اور جس اسلام کا علم بلند کرکے یہ روز عید دیکھنا نصیب ہوا تھا،
ں کو طاق نسیان کے حوالہ کر دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس بلند نصب العین
ر دھڑ کی بازی لگائی تھی، وہ بن بیلا کو اس سے انحراف کی اجازت
تھے، چنانچہ بن بیلا جن کی شہرت و مقبولیت اوج کمال کو پہنچ گئی تھی،
ے جانشین کرنل جوری بومداین نے اس راز کو پوری طرح سمجھ لیا ہے
م نواز طبقہ بھی ان کی توصیف میں رطب اللسان ہے، اور
ں بھی وہ اپنی لچکدار پالیسیوں کے باعث مقبول ہیں۔ اسلام
اس وقت الجزائر افریقہ کے تمام ممالک میں ایک روشنی کے
ہے، گذشتہ عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی ذلت آمیز شکست
اہ حسن ثانی نے ایمان افروز صدا بلند کی تھی، وہیں کرنل بومداین

ے تمام ممالک نے جنگ بندی قبول کر لی ہے، لیکن الجزائر
یں کر سکتا، اور وہ اس وقت تک حالت جنگ میں رہیگا
قدس اسرائیل کے ناپاک قبضہ سے خالی نہیں ہو جاتی۔"
ورہ بالا مقالہ سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ بومداین محض ظاہرًا
ی کا ثبوت دیتے ہیں، لیکن صدر موصوف کے اوپر کے بیان
ہو جاتی ہے۔

افکار اقبال،
پیام مشرق کے آئینے میں

از جناب حافظ محمد طاہر علی صاحب ایم اے، لکچرار شعبۂ عربی و فارسی و اسلامیات
وشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی نکیتن

ڈاکٹر اقبال ایک مرد حق شناس، واقفِ اسرار حیات، دانائے رموز کائنات اور انسانی عظمت کے پر جوش مبلغ تھے، مغربی اور مشرقی فلسفیوں کے تقابلی مطالعہ نے ان کے اندر فکری بلندی اور وسیع النظری پیدا کی، اور مغرب کے تصوراتی و مادی نظریاتی فلسفے کا کھوکھلا پن اور مشرق کی اخلاقی و روحانی عظمت و برتری بھی ان پر واضح کر دی، دوسری طرف ان کا دل عشقِ رسول سے سرشار تھا، مغربی فلسفیوں نے جو نظریاتی بت تراشے تھے، اقبال نے جنونِ عشق میں ان پر تیشہ زنی شروع کر دی اور سازِ عشق پر وہ دلگداز و پرسوز ترانہ چھیڑا کہ دنیائے فکر و نظر میں انقلاب عظیم برپا ہو گیا،

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگری پیدا شد | حسن لرزید کہ صاحب نظری پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور | خودگری خودشکنی خودنگری پیدا شد[1]

اقبال کے افکار نے نہ صرف مشرق بلکہ مغرب کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پروفیسر نکلسن نے "اسرار خودی" کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اقبال کے فلسفۂ خودی سے مغرب کو

---
[1] تسخیر فطرت

ں کرایا لیکن اسرار خودی میں اقبال فلسفی زیادہ اور شاعر کم نظر آتے ہیں، اس کے مقابلہ
شرق میں ان کی فلسفیانہ اور شاعرانہ دونوں حیثیتیں متوازن نظر آتی ہیں اور
، قطعات، غزلوں اور نظموں پر اقبال کو جو دسترس حاصل ہے پیام مشرق اکا
اسی طرح وسعت تخیل، تنوع مضامین، سلاست و روانی اور موسیقیت
سے بھی پیام مشرق، اسرار خودی اور رموز بیخودی سے زیادہ دلکش
ہے، بعض نظمیں مثلاً سرود انجم، نوای وقت، نغمۂ ساربان حجاز، بہار
ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے قاآنی کے کلام سے مشابہ ہیں، اور ان
سیقیت پڑھنے والے پر وجد وکیف کا عالم طاری کر دیتی ہے،
ی شعری محاسن کے باوجود پیام مشرق میں فکر شاعری پر مقدم ہے، اس میں
نوان سے جو غزلیں ہیں وہ حدیث زنان نہیں، حدیث زیست ہیں اور
زلف معشوق نہیں بلکہ گیسوئے حیات سنوارتے نظر آتے ہیں، جو شخص
یت کی چاشنی اور زلف ولب و رخسار کا حسن تلاش کرتا ہے، اس کو
ہوتی ہے، اور اقبال بھی اس سے شاکی ہوتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں:-

ں من زمن بیگانہ رفت	از خمستانم تہی پیمانہ رفت
لو و خسروی اور ادہم	تاج کسری زیر پای او نہم
ث دلبری خواہد زمن	رنگ و آب شاعری خواہد زمن
بینا بیٔ جانم ندید	آشکارم دید و پنہانم ندید
رنگیں زمضمون من است	مصرع من قطرۂ خون من است[1]

[1] ...لیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں

اقبال نے پیام مشرق جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوئٹے[1] کے دیوان کے جواب میں لکھا ہے، چنانچہ کہتے ہیں:-

پیر مغرب شاعر المانوی	آن قتیل شیوہ ہای پہلوی
بست نقش شاہدان شوخ وشنگ	داد مشرق را سلامی از فرنگ
در جوابش گفتہ ام پیغام شرق	ماہ تابی ریختم بر شام شرق[2]

لیکن اقبال اور گوئٹے میں جو فرق ہے اس کا احساس اقبال کو بھی ہے، گوئٹے مشرق کے وجد آفریں ترنم اور پرسوز تغزل پر سر تو ضرور دھنتا ہے لیکن اس کے اخلاقیات و روحانیات سے کوئی تاثر قبول نہیں کرتا، اس نے مغرب میں آنکھ کھولی اور مغربی فضا میں تربیت پائی، اس لیے اس میں شوخی، تیزی اور طراری ہے، اور اسکے نغمے سے سارا چمن گونج اٹھا، لیکن اقبال مشرق کا پروردہ ہے، اس میں وہ بیباکی نہیں ہے، مگر اس کا کلام عجمی روحانیات سے لبریز اور پیران مشرق کے نالوں سے پرسوز ہے، اگرچہ دونوں "دانائے ضمیر کائنات" اور "گوہر ارجمند تابدار" ہیں لیکن ایک صدف سے باہر اپنی آب وتاب سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا ہے، اور دوسرا آغوش صدف میں پنہاں ہے، گوئٹے کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے اقبال نے اس فرق کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے:-

[1] گوئٹے جرمن کا مشہور شاعر، ناول نگار، ڈرامہ نگار، سائنسداں اور فلسفی تھا، وہ ۱۷۴۹ء میں فرانکفرٹ میں پیدا ہوا، صغرسنی ہی میں اس نے متعدد نظمیں کہیں، وہ فلسفہ، سائنس، علم نجوم، مذہبیات اور تصوف سے دلچسپی رکھتا تھا اور فلسفہ میں کانٹ، شلر اور اسپنوزا سے متاثر تھا، اس نے حافظ، عطار، سعدی اور فردوسی سے بھی استفادہ کیا، جس نے اسکے اشہب تخیل کیلیے مہمیز کا کام کیا اور اسکے تخیل کی بلند پروازی نے "مغربی دیوان" کی شکل اختیار کر لی، جسکے ذریعہ گوئٹے نے جرمن ادبیات میں عجمی روح پیدا کرنے کی کوشش کی، اسی دیوان کے جواب میں پیام مشرق لکھا گیا، گوئٹے نے ۱۸۳۲ء میں ویمر میں وفات پائی،
[2] پیشکش بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں،

...زنگی جوانان مثل برق — شعلۂ من از دم پیران شرق

...زادی چمن پروردہ ای — من دمیدم از زمین مردہ ای

...ل در چمن فردوس گوش — من بصحرا چون جرس گرم خروش

...ای ضمیر کائنات — ہر دو پیغام حیات اندر ممات

...ر صبح خند آئینہ فام — او برہنہ من ہنوز اندر نیام

...ہر ارجمند تابدار — زادۂ دریای ناپیدا کنار

...تی در تہ قلزم تپید — تا گریبان صدف را بر درید

...ش صدف تا بم ہنوز — در ضمیر بحر نایابم ہنوز[1]

...پیام مشرق کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، لالۂ طور، افکار، مے باقی ... ان میں کورانہ تقلید، فلسفہ، حکمت، عقل، حقیقت زندگی، جد وجہد ... ت، خودی اور عظمت انسان کے متعلق اپنے نظریات پیش کیے ہیں، ... اور شعراء پر اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں تبصرے بھی کیے ہیں، ذیل ... روشنی میں ان عنوانات سے متعلق افکار اقبال کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے

... اقبال کورانہ تقلید کے قائل نہیں، تقلید کو گناہ عظیم سمجھتے ہیں، اور ... نے کا درس دیتے ہیں۔ اس کو وہ اس موثر مثال سے سمجھاتے ہیں ... بر ہوتی تو پیغمبر اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرتے۔

...ے اگر مرد نکو پے — ز ہند پاستاں آزاد رفتے[2]

...ے شیوۂ خوب — پیمبر ہم رہ اجداد رفتے[3]

... حضرت امیر امان اللہ خان [2] خردہ

دوسری جگہ کہتے ہیں:

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش — براہ دیگران رفتن عذاب است

گر از دست تو کار نادر آید — گناہی ہم اگر باشد ثواب است[1]

مغرب کے بعض فلسفیانہ نظریات کے قائل ہوتے ہوئے بھی تقلید کی مخالفت کی بنا پر ان نظریات سے بالکلیہ متفق نہیں، بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں، البتہ یہ مخالفت غیر مشروط نہیں ہے، کیونکہ اقبال خود فلسفی تھے، اور ان کا سارا کلام فلسفیانہ خیالات سے معمور ہے۔

فلسفہ اقبال تنہا فلسفہ کو علم و یقین کا ذریعہ نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک فلسفہ ایک کار بے پایاں ہے جس کی تحصیل کے لیے صرف دبستان میں زانوے تلمذ تہ کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ سوز دروں کی بھی ضرورت ہے:

حکمت و فلسفہ کاری ست کہ پایانش نیست — سیلیٔ عشق و محبت بہ دبستانش نیست[2]

مغرب محض دماغ کی فسوں گری کے ذریعہ حقیقت عالم کو پانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے دانای فرنگ کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

دانش اندوختۂ دل ز کف انداختۂ — آہ زاں نقد گرانمایہ کہ در باختۂ[3]

اقبال کا خیال ہے کہ محض فلسفہ کے ذریعہ کچھ حاصل نہیں ہوتا:

دشت و کہسار نوردید و غزالی نگرفت — طوف گلشن زد و یک گل بہ گریبانش نیست[4]

اس لیے عشق کی زبان سے علم کو پیغام دیتے ہیں:

بیا یک ذرہ از درد دلم گیر — تہ گردوں بہشت جاوداں ساز[5]

[1] لالۂ طور، [2] پیام [3] ایضاً [4] ایضاً [5] محاورۂ علم و عشق

لسفہ سے زیادہ فلسفی پر تنقید کرتے ہیں، ان کے نزدیک فلسفی گم کردۂ منزل ہوتے
قت میں غواصی ضرور کرتے اور لولوئے لالا کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن
س کر اسی کو منزل سمجھ بیٹھتے ہیں، اور تہ تک نہیں پہنچ پاتے، اسلیے گوہر ا
ں آتا،

ند رغبار ناقہ گم　　　دستِ رومی پردۂ محمل گرفت
ر رفت تا گوہر رسید　　　آں بگردابی چو خس منزل گرفت[1]

ہیں کہ فلسفی دماغ کے دریچوں کو تو کھول سکتا ہے، لیکن دل میں
پیدا کر سکتا، اور اس کو وہ حرارت نہیں بخشتا جس سے زندگی
لیے وہ فلسفیوں سے دور بھاگنے کی تلقین کرتے ہیں،

بہ تپیدن دلِ زندۂ　　　ز کنشتِ فلسفیاں در آ بحریم سوز و گدازِ من[2]

کو اقبال سامانِ موت کہتے ہیں، اپنی نظم "حکمت فرنگ" میں ایک
بحضور یزدان پاک" یہ شکایت کراتے ہیں کہ تیرا فرشتۂ اجل آج بھی
ہی فرسودہ طریقے استعمال کرتا ہے، حالانکہ حکمت فرنگ نے موت
ر طریقے ایجاد کر دیے ہیں،

یشہ بکار رگ　　　ہمہ حکمتِ او بہ ستار مرگ[3]
بغ جان لینے کے طریقے سیکھنے کے لیے اپنے فرشتہ کو فرنگستان بھیج،
ایہ را در فرنگ　　　کہ گیرد فن کشتن بیدرنگ[4]
ت کے مطلق مخالف نہیں، اس کو وہ "خیر کثیر"[5] کہتے ہیں:

ی[3] حکمت فرنگ[4] قرآن، سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۹ (من یؤت الحکمۃ
(

زوری ۶۲ء

گفت حکمت را خدا خیر کثیر　　　ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر[1]

بلکہ اس کو وجدان کا تابع کرنا چاہتے ہیں،

عقل — اقبال کے نزدیک محض عقل باعث تخریب جہاں ہے، اور جویائے حق کو حیران و حیرا
کی وادی میں بھٹکاتی ہے، کیونکہ وہ ادراک وجدانی کی قائل نہیں، بلکہ عقلی ادراک
کا تجزیہ کرنے کے لیے پرپیچ راہوں سے گذرتی ہے، اس لیے خود جادۂ مستقیم سے بھٹک جاتی
ہے، اور کسی مسئلہ کی عقدہ کشائی کے بجائے اس کو اور ژولیدہ بنا دیتی ہے:

چہ کنم کہ عقل بہانہ جو گرہے بروی گرہ زند　　　نظری کہ گردش چشم تو شکند طلسم مجاز من[2]

اس لیے وہ جستجوئے حقیقت میں محض عقل کی رہبری پر بھروسہ نہیں کرتے، انکا خیال
ہے کہ عقل ہمیشہ شک و شبہہ میں مبتلا رہتی ہے، اس کے برعکس عشق یقین کی سرحد پر پہنچا دیتا
ہے، اقبال عقل کو کہیں "بہانہ جو" اور کہیں "فسوں پیشہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں، عقل
کی مذمت میں اقبال اور برگساں[3] دونوں متفق ہیں، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ
برگساں عقل کو قطعی طور پر قابل مذمت قرار دیتا ہے، اور اقبال عقل کو تمامتر قابل مذمت نہ
نہیں قرار دیتے[4]، ان کے نزدیک یہی عقل جو اپنے جلوۂ بیباک سے سارے جہان میں آگ
لگاتی ہے، اگر عشق سے آئین جہاں تابی سیکھ لے تو دوسری ہی چیز بنجائے گی۔

عقلے کہ جہاں سوز دیک جلوۂ بیباکش　　　از عشق بیاموز د آئین جہاں تابی[5]

---

[1] پیشکش بحضور اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں [2] مئے باقی [3] ہنری برگساں فرانس کا مشہور فلسفی اور اقبال کا
ہمعصر تھا، وہ ۱۸۵۹ء میں پیرس میں پیدا ہوا، ۱۹۰۰ء میں فرانس کے ایک کالج میں فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا اور ۱۹۲۱ء
تک اس عہدہ پر فائز رہا، ۱۹۲۷ء میں اس کو ادب پر نوبل پرائز ملا، اس نے زمان و مکان، جبر و اختیار، عقل و وجدان
حقیقت زندگی اور اخلاقیات و مذہب پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں، اقبال نے برگساں پر کئی اشعار لکھے ہیں،
برگساں نے ۱۹۴۱ء میں وفات پائی [4] Iqbal, his art and Thought از ایس، اے
وحید ص ۱۰۱ [5] عشق

...ش عقل کو اس مقام پر پہنچائے گا کہ جہاں خود بیں سے جہاں بیں بنجائیگی اور بال بلبل
...ے شاہین میں تبدیل ہوجائے گا، اپنے ظن وتخمین کی وادی میں گم نہیں ہوگی،
...ں عالم پر محیط ہوجائے گی،

...ین دگر و عقل جہاں بیں دگر است	بال بلبل دگر و بازوی شاہیں دگر است
...سوئے پردہ کشادن نظرے	ایں سوی پردہ گمان وظن وتخمین دگر است
...قل کہ بینای دو عالم با اوست	نور افرشتہ وسوز دلِ آدم با اوست[1]

...| حقیقت زندگی کے متعلق اقبال برگسان سے متفق ہیں، اقبال زندگی اور
...ت کو حقیقی تصور کرتے ہیں، ان کا ذاتی وجود اور اپنی انفرادیت تسلیم کرتے ہیں،
...گی کو بہتے ہوئے دھارے سے تعبیر کرتا ہے، اور اس کے تسلسل کا قائل ہے۔
...یال ہے کہ زندگی ایک دھارے کی طرح مسلسل رواں ہے اور اس مستقبل
...یہ مادہ سے مل کر نئی نئی شکلیں اختیار کرتی ہے۔
...ربی بھی اس کے قائل ہیں اور فصوص الحکم کے "فصِ شعیبی" میں اس کی تشریح کی ہے،
...ت "لوائح جامی" کے لائحہ بست وششم میں ابن العربی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "عالم

...٥٦٠ھ ۔۔ Iqbal - his art and thought - by S. A. ... شیخ محی الدین ابن العربی
...یوسف اصل نام محمد اور والد کا نام علی بن محمد عربی ہے۔ عالم متبحر اور عارف کامل تھے، وحدت الوجود کو
...پیش کیا اور اس سے متعلق بکثرت کتابیں لکھیں، صاحب نفحات کا خیال ہے کہ انکی تصنیفات پانچ سو سے زیادہ ہیں،
...ا گیا ہے، جدید تحقیقات سے انکی دو سو تصنیفات کا پتہ چلتا ہے، انکی تصنیفات میں "فتوحات المکیہ" اور "فصوص الحکم"
...العربی نے ۶۳۸ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ اقبال ابن العربی کے نظریہ وحدت الوجود سے اتفاق نہیں کرتا
...ن بن نظام الدین احمد بن محمد الدشتی نویں صدی ہجری کے عظیم المرتبت شاعر، جید عالم اور باکمال صوفی
...کے نام سے مشہور ہیں، ۸۱۷ھ میں خراسان کے ایک قصبہ جام میں پیدا ہوئے اور ۸۹۸ھ میں بمقام ہرات
...یں نقشبندیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن نظریاتی اعتبار سے ابن العربی کے ہمنوا اور انکے مسلک کے پابند
...نفحات الانس، سلسلۃ الذہب، سبحۃ الابرار، لوائح وغیرہ مشہور ہیں۔

فروری ۱۹۶۲ء

عبارت است از اعراض مجتمعہ در عین واحد کہ حقیقت ہستی ست و آں متبدل و متجدد می گردد
مع الانفاس والآنات۔ در ہر آنے عالم بعدم می رود و مثل آں بوجود می آید"۔ اس کے بعد جامی
نے اس ضمن میں اشاعرہ اور سوفسطائیہ کے نظریات کی وضاحت کی ہے، اور یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ زندگی جو تجلیِ حق ہے ہر آن ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، اس خیال
کو جامی نے متعدد رباعیوں میں پیش کیا ہے، دو رباعیاں ذیل میں درج کیجاتی ہیں،

بحریست نہ کاہندہ نہ افزائندہ	امواج برو روندہ و آئندہ
عالم چو عبارت از ہمیں امواج است	نبود دو زماں بلکہ دو آں پائندہ[1]

ہستی کہ دو آن نیست عیاں در شانے	در شانِ دگر جلوہ کند ہر آنے
ایں نکتہ بجو ز کلّ یوم فی شان	گر بایدت از کلامِ حق برہانے[2]

اقبال بھی یہی کہتے ہیں:

زندگی جوئے رواں است و رواں خواہد بود	ایں مئے کہنہ جوان است و جواں خواہد بود[3]

دما دم نقشہائے تازہ ریزد	بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروز تو تصویرِ دوش است	بخاکِ تو شرار زندگی نیست[4]

زندگی کی اس "حقیقت تبدل" سے اقبال بالکلیہ متفق ہیں، انھوں نے کائنات
کا بغور مشاہدہ کیا اور اجزائے کائنات کی خودی پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ
کائنات کی ہر شے بڑھنا، ابھرنا، نشو ونما حاصل کرنا اور اپنی مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار
لانا چاہتی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

چہ لذت یارب اندر ہست و بود است	دل ہر ذرہ در جوشِ نمود است

---

[1] لوائح جامی، لائحہ بست وششم [2] ایضاً [3] پیام [4] لالۂ طور

اخ را چوں غنچہ و گل   تبسم ریز از ذوقِ وجود است[1]

زندگی کی "حقیقت تبدل" (Reality of change) کے ساتھ اسکی
کا بھی قائل ہے، جسے وہ Elan vital سے تعبیر کرتا ہے لیکن
تخلیقی صلاحیت سے متفق نظر نہیں آتے[2]۔ البتہ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس
ساتھ رواں دواں رہنا ہی زندگی ہے، اور اس سے جدائی موت ہے

شود راز زندگی   خود را جدا از شعلہ مثالِ شرر مکن[3]

اس خیال سے بھی اقبال متفق ہیں کہ حقیقت زندگی محض عقل
نی جا سکتی، ہماری عقل زندگی کے صرف ان مظاہر کا ادراک کرتی
کان میں مقید ہیں، کائنات کی یافت اور حقیقت زندگی کے ادراک
Intelle) کے ساتھ وجدان (Intuition) بھی ضروری ہے[4]

ہ اوہام باطل است   عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است[5]

کے نزدیک زندگی کا مقصد جد و جہد اور فعالیت ہے، چنانچہ کہتے ہیں:

عائے زندگانی   ترا بر شیوہ ہائے او نگر نیست
نِ سفر آنگونہ مستم   کہ منزل پیش من جز سنگِ رہ نیست[6]
ساحل کہ آنجا   نوائے زندگانی نرم خیز است
با موجش در آویز   حیاتِ جاوداں اندر ستیز است[7]

---

qbal - his art [2] پیغام برگساں [3] Iqbal - His art and Th... by S...
and Th... [5] پیغام برگساں [6] لالۂ طور [7] ایضاً

موج کی زبان سے اسی سوال کا جواب دیا ہے:

موج زخود رفتۂ تیز خرامید و گفت   ہستم اگر می روم گر نروم نیستم[1]

اقبال کہتے ہیں کہ زندگی اسی وقت سرخرو اور کامیاب ہوتی ہے جب خطرات سے مقابل ہو:

خطر تاب و تواں را امتحان است[2]   عیارِ ممکنات جسم و جان است

اسی جذبۂ فعالیت اور پیغام جہد و عمل کی بنا پر اقبال نٹشے[3] کے مداح ہیں، اقبال کا "مرد مومن" اور نٹشے کا "فوق البشر" (Super Man) دونوں عزم و یقین اور جہد و عمل کا نمونہ ہیں، اسی لیے اقبال نٹشے کے متعلق کہتے ہیں:

از ہستی عناصر انساں وش تپید   فکر حکیم پیکر محکم تر آفرید[4]

نٹشے اور اقبال میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ نٹشے مسیحیت کے اس تصور کا کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے، اور اپنے گناہوں کیلیے اسے خدا سے معافی مانگنی چاہیے، قطعی مخالف ہے، وہ انسان کو خود اپنی تقدیر کا خالق مانتا ہے، اور اسے اپنی قوت ارادی کو کام میں لانے کیلیے بالکلیہ آزاد چھوڑ دیتا ہے کسی کے سامنے جوابدہ تصور نہیں کرتا، اس طرح وہ خدا کا قطعی انکار کرتا ہے، اقبال بھی انسان کو اپنی تقدیر کا خالق مانتے ہیں، اسے رزم و بزم میں متحرک اور فعال دیکھنا چاہتے ہیں، اور اسے اپنی فطری قوتوں کو بروئے کار لانے کی تلقین کرتے ہیں لیکن نٹشے کی طرح اس کو بالکل آزاد نہیں چھوڑتے بلکہ حدود شریعت کے اندر رکھتے ہیں، نٹشے خدا کا منکر اور اقبال خدا پرست ہیں، اسلیے وہ نٹشے کے مداح ہونے کے باوجود اس مجذوب فرنگی کو مقام کبریا سمجھانا چاہتے ہیں، نٹشے نے مسیحی فلسفہ اخلاق پر اپنے فلسفیانہ نقطۂ نظر سے جو حملے کیے اس سے دنیائے فرنگ میں ایک تہلکہ مچ گیا، اقبال نے پیام مشرق میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

انگند در فرنگ صد آشوب تازہ   دیوانۂ بکار گہ شیشہ گر رسید[5]

---

[1] زندگی و عمل [2] اگر خواہی حیات اندر خطر زی [3] جرمن کا مشہور فلسفی اور شاعر تھا، ۱۸۴۴ء میں پرشیا میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۰ء میں اس کا انتقال ہوا،
[4] نٹشے [5] ایضاً

م مشرق میں، اقبال نے مغربی سیاست پر بھی جا بجا حملے کیے ہیں، مغربی سیاست پر اظہار خیال
بال کا لہجہ سخت ہو جاتا ہے، وہ فلسفی اور سیاست داں کا موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ست داں بیک میزاں سنج — چشم آں خورشید کورے، دیدۂ ایں باطنی
ق را بحجتِ نا استوار — ایں تراشد قول باطل را دلیلِ محکمے

جگہ کہتے ہیں:-

م درین بزم کہن — دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
انم کہ کفن دزدے چند — بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند[2]

ں مغربی جمہوریت کے بھی قائل نہیں جس میں صرف عددی اکثریت پر حق و باطل کے
ان کا عقیدہ ہے کہ ایک حق بیں دور اندیش کی رائے سیکڑوں کوتاہ اندیشوں پر
وہ جمہوریت کا نظریہ اسکے برعکس ہے، اس لیے اقبال جمہوریت پر طنز کرتے ہیں:

دوں قنطرتاں جوئی — ز موراں شوخیِ طبعِ سلیمانی نمی آید
ں غلام پختہ کارے شو — کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید[3]

اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کو بھی پیام مشرق میں رباعیات و قطعات کے علاوہ
ی"، "قطرۂ آب"، "کرمک شب تاب"، "شیند باز با بچہ خویش"، "ہلال عید" وغیرہ
عظمت انسان کا تصور بھی "محاورہ ما بین خدا و انسان"، "افکار انجم"، "تسخیر فطرت" وغیرہ میں لائے
شرق اقبال کے نظریات اور حکیمانہ افکار کا ایسا حسین گلدستہ ہے، جسے اقبال نے
رنگا رنگ سے سجا کر مغرب کے سامنے پیش کیا، مغرب نے بھی اسے سر آنکھوں پر جگہ دی
ترجمہ کر کے اقبال کی ژرف بینی، بالغ نظری، وسعت تخیل اور حیات و کائنات کے
ق ان کے حکیمانہ افکار و نظریات سے مغرب کو روشناس کرایا۔

---

[2] جمعیت الاقوام [3] جمہوریت۔

فتحپور کے بعض مخطوطات اور نوادر

از

جناب الطاف حسین خاں شروانی، اسلامیہ کالج اٹاوہ

ضلع فتحپور (یو، پی) اور اس کے مضافات کی آبادیاں اور قصبات قدیم ایام سے علماء و فضلاء، ادباء و شعراء اور متصوفین و فقراء کا مشہور مرکز رہا ہے، اس اعتبار سے یہاں آثار علمی کا پایا جانا حیرت ناک نہیں، یہاں کے بیشتر علمی ذخائر خاصی تعداد میں انگریزوں کے دور حکومت میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم منتقل ہو چکے ہیں[1]، لیکن اس کے باوجود اگر تفحص کیا جائے تو گرانقدر ذخیرہ آج بھی فراہم کیا جا سکتا ہے،

فتح پور یو، پی کا ایک پرانا قصبہ ہے، یہاں علماء و صوفیہ کے گھروں میں قیمتی مخطوطے بھی تھے، اور نایاب کتابات بھی، مشائخ کے ملفوظات بھی تھے، اور تذکرے و دواوین بھی لیکن افسوس ہے کہ آج ان کا کوئی پرسان حال نہیں، پرانے خاندان کی یادگاریں بدحالی کا شکار، اور اپنے بزرگوں کے اندوختوں کی قدر و قیمت سے بے خبر ہیں، اور جواہر کوڑیوں کے مول ضائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں، اس سلسلہ میں ایک واقعہ ملاحظہ ہو:-

---

[1] تاریخ ہنسوہ (ضلع فتحپور ہنسوہ) انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔

ـنہء میں میرے والد صاحب (محمود حسن خاں شروانی وکیل مرحوم) کے
ـت محمود منزل تشریف لائے اور فرمایا کہ ایک بنیے کی دوکان میں کوئی
کا ایک مخطوطہ فروخت کر گیا ہے، بنیا کہتا ہے کہ اگر یہ کوئی قیمتی کتاب
کے دام ۲؎ واپس کر دے گا، والد صاحب مشرقی علوم کے دلدادہ
ـت (ایک روپیہ) بھیج کر مخطوطہ منگوا لیا، دیکھا گیا تو مہا بھارت کا
ـا، جو محمد شاہ بادشاہ کے عہد ۱۷۴۶ء کا مکتوبہ تھا، فتحپور کے کسی
اپنے لیے ایک مسلمان کاتب سے لکھوایا تھا،

ـنہء میں میرا تقرر مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے ایک پروفیسر
ـیں اس مخطوطہ کو علی گڈھ ساتھ لے آیا، وہاں میں نے
ـوں کی فہرستِ مخطوطات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی کہ یہ نسخہ
ـب نسخوں میں زیادہ قدیم ہے، اس کے جو دوسرے نسخے ملے
ـنہء سے پہلے کے مکتوبہ ہیں تو کم ابواب (پربھ) پر مشتمل ہیں اور
ـ۴۶ء سے بہت بعد کے ہیں، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:
ـلائبریری، شعبۂ مخطوطات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ـت: از فن اول تا یازدہم۔ از فیضی، مکتوبہ ۱۸۴۷ء، درگا پرشاد

ـ۱۷۴ء، پرنت رائے، صفحات ۲۴۵

ـبہ مہا بھارت اول و دوم۔ ملا طاہر بن عماد الدین، سال تصنیف
ـل: ۱۸ پربھ کا خلاصہ صفحات ۲۲۸۔ جزو دوم: ناقص، مکتوبہ ۱۷۰۲ء

۴۔ از اول تا چہارم پربھ، ابوالفضل، مکتوبہ ۱۸۵۲ء، صفحات ۳۶۱
۵۔ از نقیب خاں، مکتوبہ ۱۷۰۰ء (کاتب عبدالرحمٰن خاں) ناقص۔

خدا بخش خاں لائبریری، بانکی پور، XVI ۷۰۴

۱۔ ۹ ابواب (تاریخ درج نہیں غالباً انیسویں صدی کا، قیاس مرتب فہرست) صفحات ۴۲۳
۲۔ ۱۸ ابواب (تاریخ درج نہیں، غالباً انیسویں صدی کا، قیاس مرتب فہرست)

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ:

۱۸ ابواب، مکتوبہ ۱۸۵۱ء، صفحات ۶۷۰

انڈیا آفس لائبریری لندن:۔

۱۸ ابواب از ابوالفضل، مکتوبہ ۱۸۰۷ء، صفحات ۵۱۴

برٹش میوزیم، لندن:۔

۱۔ ترجمہ مع دیباچہ ابوالفضل، مکتوبہ ۱۷۷۵ء
۲۔ تقریباً ۱۸ ویں صدی عیسوی کے اختتام کا مکتوبہ (قیاس مرتب فہرست)

ان نسخوں کے مقابلہ میں فتحپور کا نسخہ ہر لحاظ سے قیمتی اور قابل توجہ ہے،
تقطیع کلاں، خوشخط، شروع میں خوبصورت طلائی گلکاری، کاغذ دبیز،
سنجرفی، کاتب محمد وارث بن محمد اعظم، مکتوبہ ۱۷۴۶ء، نو سو ستر ۹۷۰ صفحات پر مشتمل ہے،
مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ نے اس نسخہ کو خرید لیا ہے، اور اب یہ یونیورسٹی
کلکشن نمبر ۱۵۹ فارسیہ اخبار میں درج ہے،

بعض دوسرے مخطوطات جو فتحپور میں موجود ہیں یا علی گڑھ منتقل کر دیے گئے ہیں،

(۲) مفتاح الجنان۔ مؤلفہ محمد وجیہ الدین مرید خواجہ نصیر الدین قدس سرہٗ

در زادہ مولانا ضیاء الدین صاحب تفسیر المغنی، مکتوبہ ۱۲۳۸ھ، کاتب شیخ علاؤ ل

ہ، خط پاکیزہ، کہیں کہیں کرم خوردہ، تقطیع متوسط، صفحات ۵۳۶

یہ کتاب ایک طرح کی کشکول ہے، جس میں مختلف انبیاء علیہم السلام، خلفاء و سلاطین،

و صوفیہ و مشائخ کے سبق آموز حالات اور قصص و حکایات درج ہیں، اس کی تالیف

رگوں کے ملفوظات سے زیادہ مدد لی گئی ہے، اس سے مفید تاریخی معلومات بھی

تے ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب نہایت اہم ہے،

حلبی نے کشف الظنون میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اس کے دو نسخے مولانا آزاد

لی گڑھ، شعبہ مخطوطات (حبیب گنج کلکشن) اور ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد

بحث نسخہ کو لاکر اب تک چار نسخے دستیاب ہو چکے ہیں، ان چاروں کی مدد

معیاری اڈیشن تیار کیا جا سکتا ہے، (یہ نسخہ علی گڑھ منتقل ہو چکا ہے)

نافع السالکین - ملفوظات حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ (المتوفی

دو حصوں میں ہے، اور ہمارے خاندان کی پرانی یادگار ہے، میڈو خاں

ن فتحپور نے لالہ راج بہادر رئیس فتحپور کی فرمایش پر ۱۸۷۰ء میں لکھا ہے،

خط نستعلیق ہے، کہیں کہیں شکست بھی ہے، مصنف امام الدین مرید خواجہ

یہ ملفوظات ۱۸۵۵ء میں سپرد قلم کیے ہیں، یہ مخطوطہ بھی اب مولانا آزاد

گڑھ منتقل ہو گیا ہے،

رات الکاملین - مصنفہ عباد اللہ خواجہ عنایت اللہ ساکن کالپی، اسکی

کتابت ۱۳۰۱ھ میں ہوئی ہے، یہ نسخہ مصنف کے قلم کا ہے، کتاب اردو

کا دوسرا نسخہ غالباً کہیں نہیں پایا جاتا، کالپی کے صوفیۂ کرام کے حالات

اور ان کے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہے،[۱]

(۵) رسالہ دلائل النبض - مصنفہ حکیم یوسف بن محمد ہروی، طبیب خاص

بابر بادشاہ، شیخ فرید لکھتے ہیں،

"Incy. of Islam میں لکھا ہے کہ یوسفی، ہمایوں کا منشی شاید وہی

حکیم یوسف بن محمد ہروی ہے جو بابر کا طبیب خاص بھی رہا ہے، دلائل النبض

بھی اسی کی تصنیف ہے"[۲]

سال تصنیف ۹۴۳ھ ہے،

اس میں ایک اور رسالہ بھی شامل ہے، جس کا نام رسالہ مختصر البیان فی

عزوریات بحران" ہے، غالباً یہ بھی حکیم یوسف بن محمد ہروی کی تصنیف ہے،

دلائل النبض کے آخر میں حسب ذیل اشعار درج ہیں ؎

احکام بول را چو زدہ فکر یوسفی	بہر توجمع کردہ جمیع برادراں
تاریخ سال تا کہ شود روشنت بداں	قارورہ گیر چارہ صد وسی فزا براں

(۹) انشائے طغرا - از ملا طغرا مشہدی، مکتوبہ شیخ آبرو بخش ساکن مجاہد پور،

برائے مولوی فیض خاں اکبرآبادی، ۱۲۶۳ھ، سرخ تحریر میں چند ابواب قائم کیے ہیں.

ان مخطوطات کے علاوہ اورنگ زیب کے عہد کے بیع نامے، تبادلے نامے،

بخش کے فرامین اور دوسری قیمتی یادگاریں بھی ہیں جو ۱۰۹۴ھ مطابق ۱۶۸۲ء

سے ۱۸۵۵ء تک سے متعلق ہیں، اس قسم کے بائیس[۲۲] نوادر ہمارے یہاں محفوظ

ہیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق دو نوادر قابل توجہ ہیں،

---

[۱] علی گڑھ میں اسکا کوئی نسخہ موجود نہیں، اسکے علاوہ دنیا کے دوسرے کتب خانوں میں بھی دستیاب نہیں ہوتا۔

[۲] معارف، جولائی ۱۹۴۰ء، مقالہ "دو کتابیں"۔

فتحپور کے ان اشخاص کی فہرست ہے، جن کو اس جنگ آزادی میں ان کے
ت کے صلہ میں انعام ملے تھے. اس میں ان کے نام. تعداد، انعام کی قسم،
صیل سے درج ہے،

اس میں انگریزوں کے اس مال کی تفصیل درج ہے جو غدر میں لوٹ
ر بعد میں دستیاب ہوا، مرتبہ امداد علی کوتوال فتحپور، آخر میں محمد زماں خاں
ستخط بحیثیت نائب کوتوال شہر درج ہے۔

وڑہ جہان آباد، کڑہ سادات اور ایرایاں وغیرہ میں بہت سے
ت غیر مرتب حالت میں محفوظ ہیں، جن کا انشاء اللہ آیندہ ذکر

اسلامی علوم وفنون

ہندوستان میں

ں اسلامی علوم و فنون پر اور جگہوں کے مقابلہ میں کم کام نہیں ہوا ہے، ان
نی علماء اور مصنفین کی بہترین کتابیں موجود ہیں، جن سے تمام دنیا متمتع ہو رہی ہے،
رست ابتک مرتب نہیں ہوئی تھی، اسی کمی کو دور کرنے کیلئے حکیم سید عبدالحئی صاحب
سلامیہ فی الہند کے نام سے عربی میں ایک کتاب مرتب کی تھی، جس کو شام کے مشہور
ی العربی دمشق نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، یہ اسی عربی کتاب کا ترجمہ ہے
علماء و مصنفین کی تصانیف کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل علمی و تعلیمی
بھی قلم بند ہوگئی ہے، اس طرح یہ کتاب ہندوستان کے اسلامی دور کے محققین کیلئے
تحفہ ہے۔ ضخامت ۴۸۴ صفحے قیمت ۱۰ روپئے

مینیجر

دو قدیم شاہی فرامین اور بعض تاریخی آثار

از مولانا سید عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی

صوبہ بہار میں بہت سے شاہی فرامین محفوظ ہیں، ان میں سے دو یہاں نقل کیے جاتے ہیں، ان میں ایک اختیار خاں سالار فوج کے نام ہے، دوسرا مولانا محب اللہ صاحب خطیب جامع مسجد[1] قصبہ سرس اور مولانا محمد معصوم صاحب امام جامع مسجد کے نام، اختیار خاں ان غزنوی یا غوری مجاہدین کی نسل سے تھے، جنھوں نے قصبہ سرس میں سکونت اختیار کرلی تھی، شاہ عالم کے فرمان میں ان کے نام کے ساتھ سالار فوج کے لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد تک یہ عہدہ یا لقب اس خاندان میں باقی تھا، مولانا محب اللہ صاحب اور مولانا محمد معصوم صاحب بھی سرس کے قدیم باشندے تھے، ان کی اولاد اس قصبہ میں ابتک آباد ہے، ان میں مولانا محمد غلام مصطفےٰ صاحب، مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی کے شاگرد اور اس دور کے نامور عالم تھے، جامع سرس جس میں ان کا عربی کا مدرسہ تھا، جو اب مکتب کی شکل میں ہے،

---

[1] یہ جامع مسجد سرس میں دریائے پن پن کے کنارے بڑی بلندی پر واقع اور عالمگیری عہد کی تعمیر کردہ اور مسجد شمس الدین کے نام سے مشہور ہے، کتبہ کی نقل حسب ذیل ہو:۔ بعہد خلافت جہاں خدیو سلطان الاعظم شہنشاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگزیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی در عمل نواب کامگار خاں مسجد جامع شمس الدین محمد بتوفیق تمام حسب دلخواہ در ۱۰۸۱ھ الف سبعین احد انتظام یافت، اضعف من عباد اللہ سید افضل بخاری ہسوا تمام شد

...اہ عالم ...ام ...ں سالار فوج	مہر زدہ شاہ عالم بادشاہ غازی بہ دستخط نواب عالی جاہ ممتاز الدولہ نصیر الملک بہادر امیر محمد قاسم خان

...ہ رفعت و عوالی پناہ عزیز القدر مرتضیٰ قلی خاں مورد مراحم باسند
...ر خاں سالار فوج زادہ بسوہ اراضی لاخراج در بستی و ہفت بگیہ
...اراضی لاخراج عبور پن پن واقع پرگنات ساقی دیوان بہ قصبہ
...نعام بہادری رحمت فرمودہ شد بنا بر آں مرقوم می گردد کہ ام
...احب الضمن اراضیات لاخراج بہ ہند دریں باب تاکید اکید
...یادہ چہ نگاشتہ آید تاریخ ہفدہم شہر شعبان المعظم سنہ ۱
...ی قلمی شد

...ت فرمان مقرر شرح ضمن بموجب فرمان عالیشان جناب
...یخ ہفدہم شعبان سنہ ۱ جلوس معلی بست بگیہ اراضی لاخراج
...ہ شد و پروانہ مرحمت گردید دستخط چہارم رمضان المبارک
...یوان عالی شد۔ ملاحظہ شد۔

...ب اللہ ...سرس	مہر زدہ شاہ عالم بادشاہ غازی بدستخط نواب عالیجاہ ممتاز الدولہ نصیر الملک بہادر میر محمد قاسم خان

...ت و عوالی پناہ عزیز القدر مرتضیٰ قلی خان والا مراحم باشند
...معلوم امام جامع مسجد سرس ظاہر نمودند کہ شش بگیہ دہ بسوہ
...راج اندر بستی جانب مشرق از پن پن تا مزار حضرت زندہ شہباز
...العزیز جانب جنوب از مسجد شاہی تا مسجد خام کہ دراں مکانات

زودی سنہ ۲

سکونتی رعایا و مزار مورثان او واقع اند و یک بگیہ آراضی لاخراج
واقع بردہ میر خان جملہ دوازدہ بگیہ آراضیات لاخراج و چہار دو آنہ
یومیہ بصلہ امامت مولانا محب اللہ صاحب خطیب جامع مسجد سرس
بمد معاش و دو بگیہ دہ بسوہ آراضی لاخراج جہت فتیلہ سوزی
و جاروب کشی جامع مسجد شاہی مقرر یافتہ آمدہ و سندش سوختہ شد بنا برآں
مرقوم می گردد کہ دوازدہ بگیہ دہ بسوہ آراضیات لاخراج مسطور
را در قصبہ سرس بمد معاش امام مسجد موصوف و دو بگیہ دہ بسوہ
آراضی لاخراج شاملی نذر از جہت فتیلہ سوزی بتولیت امام مسجد
شاہی موصوف بموجب سند سرکار بدستور سابق بحال دارند یومیہ
مذکور را نیز از تحصیل مال بمد معاش می دادہ باشند یکدم زمانہ کے بوجہ
من الوجوہ مزاحم نباشند و سند مجدد نطلبند کہ صرف اوقات نمودہ
در دعا گوئی اشتغال و مواعظ نمودہ باشند دریں باب تاکید دانند
زیادہ چہ نگاشتہ آید، پانزدہم شہر جمادی الثانی سنہ جلوس معلی
قلمی شد۔

ادبیات

نظم

از جناب ڈاکٹر ولی الحق انصاری

...ا ہم نے جو کی دوا طلب — تیرے کرم سے کیا ملا ہم نے کیا تھا کیا طلب
...اُس سے بڑھی سوا طلب — مجھ کو کہیں مٹا نہ دے یہ دلِ مدعا طلب
...ل، سعد ہو دست باعمل — سایۂ بوم سے نہ ڈر، کر نہ پرِ ہما طلب
...ل مانگ رہے ہیں پھر نمک — طالب جور یار ہو پھر یہ دلِ جفا طلب
...ہاتھ ہم نے خلوص کیلئے — جو نہ کبھی وہ دے سکے ہم نے وہی کیا طلب
...یں جسکا مقام عرش ہو — اس کا نہ پوچھ مرتبہ جس کو کرے خدا طلب
...ں کیسے نبھے گی دیکھئے — سر میرا بے نیاز دہر دل میرا آشنا طلب
...نی طبع بند کاں — تجھ سے تجھی کو اے خدا کرتے ہیں برملا طلب
...م کو اجل کا خوف کیا — ہم نے کیا ہے موت کو آپ ہی بارہا طلب
...تی شوق چاہیئے — چاہے جو تو وہی ملے پہلے مگر بڑھا طلب
...ہیں شیخ کے قدم — آج تو دستِ دخترِ رز کرتے ہیں پارسا طلب
...دعا اٹھے اگر — مانگ نگاہ صدق بیں کر دلِ بے ریا طلب

کتنا ہی غم ہو دل خراش در ہمہ حال شاد باش — درد میں کر شفا تلاش کر نہ کبھی دوا طلب
تیرے اسیر وہ نہیں جنکو اجل کا خوف ہو — تیرے شہید وہ نہیں جنکا ہو خوں بہا طلب
عالمِ شوق میں ولیؔ بھول گئے ہم انکو بھی — اس کا بھی ہوش اب نہیں کس نے کبھی کیا طلب

غزل

از جناب بدر الزماں صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ

میرے نصیب کا فسانہ ہو تو کیا کہئے — جو حسن اپنا ہی دیوانہ ہو تو کیا کہیے
بہت ہے اک نگہِ پرکرم جو مل جائے — دل حزیں کا پیمانہ ہو تو کیا کہیئے
وہ سن تو لیتے مرا حال دل بہ جبر سہی — طویل درد کا افسانہ ہو تو کیا کہئے
یہ مانا عالمِ تدبیر ہے رہینِ خرد — بلند حسن کا کاشانہ ہو تو کیا کہئے
رموزِ عشق کے پردے اٹھے ہوئے ہیں ہوئے — یہیں کہیں دل دیوانہ ہو تو کیا کہئے
خرد کی بات کوئی کیا کہے جنوں سے مگر — جو خود جنون ہی فرزانہ ہو تو کیا کہئے
میں کچھ سمجھ نہ سکا رمزِ لن ترانی کو — وہ بول اٹھے کہ یہ دیوانہ ہو تو کیا کہئے
وہ آئے بزم میں شمعیں تو جھلملا اٹھیں — نگاہ سوز یہ تنہا نہ ہو تو کیا کہئے
وہ آئے حسن کا محشر لیے رقیب کے ساتھ — میں کیا کہوں؟ یہ صنم خانہ ہو تو کیا کہئے
نگاہِ ناز کی فتنہ طرازیاں معلوم — یہ دل اسی کا جو پروانہ ہو تو کیا کہئے

بساط الٹ دی زمانہ نے قصۂ دل کی
بہار حسن کا افسانہ ہو تو کیا کہئے

———

مطبوعات جدیدہ

ن القرآن جلد سوم وچہارم: از مولانا ابو الکلام آزاد، متوسط تقطیع

ہ، خوبصورت ٹائپ، صفحات بالترتیب ۱۰۰۰ و ۱۱۵۲ مجلد مع گرد پوش، قیمت

۲۲ رپتہ: ساہتیہ اکاڈیمی، رابندرا بھون، نئی دہلی۔

اکاڈیمی نے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی تمام تصنیفات کے نئے
ہتمام سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، ترجمان القرآن کی اشاعت
کی کردی ہے، اس کی پہلی دو جلدوں کا ذکر ان صفحات میں ہوچکا ہے،
ن جلدیں بھی اسی اہتمام اور انداز سے شائع کی گئی ہیں، اور علی الترتیب
ا یوسف اور سورۂ رعد تا نور کے وضاحتی ترجمہ اور تفسیری اشارات
ن اڈیشنوں میں سورۂ نور کا ترجمہ و تفسیر شامل نہیں تھی، بعد میں
مولانا کے کاغذات میں دستیاب ہوگیا، اس لیے اس اڈیشن کی چوتھی
ر کا ترجمہ و تفسیر بھی شائع کی گئی، پہلی دونوں جلدوں کی طرح ان جلدوں
اشی اور اشارے درج ہیں، حواشی میں پہلے اڈیشنوں کے فرق و
ح، حوالوں کی تخریج اور بعض اغلاط وغیرہ کی تصحیح کی گئی ہے،
ع کے حواشی ایک ہی ساتھ درج کیے گئے ہیں، حالانکہ امتیاز کیلئے
ہ درج کرنا مناسب ہوتا، کسی جلد میں مرتب و مصحح کے نام کی تصریح

نہیں کی گئی ہے، بعض حواشی کے آخر میں "م" سے معلوم نہیں کوئی عام مصحح مراد ہے یا
جناب مالک رام صاحب، جن کو غبار خاطر اور تذکرہ کے تحشیہ کی سعادت حاصل ہے،
چوتھی جلد میں سورہ کہف کی تفسیر کے ضمن میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کی بحث مولانا کی ذہانت اور تحقیق
کا شاہکار اور اردو کیا پورے تفسیری ذخیرہ میں بالکل نئی چیز ہے، اسی طرح تیسری جلد میں سورۂ توبہ اور سورہ یوسف
کے بعض نکات بھی خاص طور پر قابل توجہ ہیں، مولانا کے آرا و تحقیقات سے اتفاق ضروری نہیں ہے، لیکن انکا
ترجمہ و تفسیر اپنی نوعیت میں بے نظیر ہے، کاش انکے زور قلم سے پورے قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ
کا کام ہوگیا ہوتا، تو تفسیر و اسلامیات کے ذخیرہ میں بڑا عظیم الشان اضافہ ہوتا،
مگر اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو کون جان سکتا ہے،

ہماری تہذیبی میراث: مرتبہ جناب سفارش حسین صاحب رضوی، متوسط
تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۲۸۰ قیمت عام اڈیشن ۶ر
لائبریری اڈیشن ۸ر پتہ: نیشنل پبلشرز 278/G1 جامعہ نگر دہلی ۲۵۔

اس کتاب میں ہندوستان کی گذشتہ اور موجودہ مختصر تاریخ، سیاسی و تمدنی
واقعات اور سماجی و معاشرتی حالات کا تذکرہ کرکے ہندوستانی تہذیبوں کی کہانی
بیان کی گئی ہے، جو آریوں سے پہلے سندھ وادی تہذیب سے شروع ہوکر موجودہ
دور پر ختم ہوتی ہے، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ یہاں رہنے اور باہر سے آنے والی
متعدد قوموں اور نسلوں نے اپنی مختلف خصوصیات اور گوناگوں مذہبی و لسانی
اختلافات کے باوجود وحدت و یکجہتی اور رواداری و سماجی برابری کو قائم رکھا،
مغلوں کے دو تہذیبوں کے میل سے ایک نئے تہذیبی رنگ (ہندوستانی) کو جنم
دینے کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے، ملک کی یکجہتی اور تہذیب کو پروان چڑھانے

ان مفاد پسند عناصر کا بھی ذکر ہے، جن کی سازشوں نے ملک کی
ی تہذیبی خصوصیت کو ختم کرکے دوسروں کو اس پر حملہ اور
ا موقع دیا، آزاد ہندوستان میں بڑھتی ہوئی فسطائیت کا
کیا گیا ہے، مصنف کا یہ خیال گو صحیح ہے کہ ہندوستان کے
ومتیں اسلامی نہیں تھیں، لیکن اس حیثیت سے انکی ستائش
یکولر حکومت کی برتری اور اکبر کی نامذہبی ریاست کی مدح
بعض کاموں کی مذمت کرنا قوم پروری میں غلو کا نتیجہ ہے۔
د ہند و مورخین کے بیانات سے خالص اسلامی حکومت
ی) کی تعریف نقل کی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "بہت سے مسلمان
سرا بھروسے کا سوت انتے ہیں"۔ بہت سے مسلمان نہیں بلکہ
ں قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی کو اسلامی قوانین کا ماخذ مانے
الوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ پوری امت کے مقابلہ میں ان کی
ں ہے، ان خفیف فروگذاشتوں سے قطع نظر مجموعی حیثیت
د قابل مطالعہ ہے،

بلی، ہندوستان میں مشرقی[۲]	مرتبہ ۱ و ۲ جناب رشید حسن خاں صاحب
رنہ یعنی گذشتہ لکھنو[۳]	۳ ڈاکٹر محمد حسن و ۴ ڈاکٹر صدیق الرحمن
فسانہ عجائب، انتخاب ولی[۵]	قدوائی و ۵ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی

کتابت و طباعت عمدہ، صفحات بالترتیب ۸۰، ۴۴، ۴۰ و ۲۰۲ و
بالترتیب عہر لائبریری اڈیشن ہے، وعہ پ لائبریری اڈیشن عہ،

لعہ لائبریری اڈیشن عہ پ وعہ لائبریری اڈیشن ہے، وعہ پ لائبریری اڈیشن عہ،
پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

حکومت جموں وکشمیر کی مالی مدد سے مکتبہ جامعہ قدیم معیاری اور کمیاب کتابوں
کے نئے اڈیشن شائع کر رہا ہے، اس سلسلہ کی کچھ کتابوں کا معارف میں پہلے تعارف
کرایا جا چکا ہے، زیر نظر کتابیں ان کے بعد موصول ہوئی ہیں، ان میں پہلی کتاب مولانا شبلی
مرحوم کے پچیس ۲۵ ادبی، تنقیدی، تحقیقی، علمی، تعلیمی اور مذہبی مضامین پر مشتمل اور مقالات
شبلی کی ان آٹھ جلدوں کا انتخاب ہے جو دار المصنفین نے شائع کی ہیں، فاضل مرتب
نے ان مضامین کو آٹھ جلدوں کا عطر مجموعہ کہا ہے، لیکن در اصل مولانا کے اور مضامین
اہم اور قابل انتخاب تھے، تاہم اس مجموعہ میں کتب خانہ اسکندریہ، الجزیہ، حقوق
الذمیین اور مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم وغیرہ جیسے شاہکار مضامین شامل ہیں،
صفحات ۸۰ و ۵۹ کی ترتیب الٹ گئی ہے،

دوسری کتاب مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی کی بہترین اور ممتاز کتابوں میں ہے، اسکو
پہلے انھوں نے اپنے رسالہ دلگداز میں بالاقساط تحریر کیا تھا، بعد میں کتابی صورت میں
شائع کیا، یہ کتاب شاہان اودھ کی تاریخ، اس عہد کے لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت،
اس کی لطافت و نفاست، زندگی کے تکلفات کا مرقع، مختلف طبقوں کے حالات
وخصوصیات اور مختلف النوع معلومات کا خزانہ ہے، جس سے اس عہد کی پوری تصویر
نظر آجاتی ہے، مولانا شرر کا بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اس تصویر کو تاریخ کے اوراق
میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا، مگر اس حیثیت سے مرقع عبرت ہو کر اب یہ باتیں افسانہ معلوم
ہوتی ہیں،

امراؤ جان ادا اردو کے بہترین ناولوں اور ادبیات کی کلاسیکل
بان وبیان کی لطافت ودلکشی اور کردار وپلاٹ کی خوبی ودلآویزی

نسانہ مبتلا المعروف بہ محصنات اردو کے مشہور صاحب طرز ادیب
مولانا نذیر احمد دہلوی کی ہے، جو ان کے ناولوں کی خصوصیات
ش کی رعنائی ودلکشی کی حامل ہے، آخری کتاب اردو شاعری کے
ی غزلیات اور بعض دوسرے اصناف کلام کا انتخاب ہے،
ے ہر کتاب کے شروع میں ایک جامع اور پرمغز تعارف بھی
کتاب کے خصوصیات اور مصنف کے کمالات کا بڑے سنجیدہ
ی ذکر ہے، خصوصاً پہلی دونوں کتابوں کا تعارف جو رشید حسن
ذن اور ناقل ودل قلم سے ہے ان کی دیدہ وری، ادبی بصیرت
ے کے اعتدال وتوازن کا نمونہ ہے، آخری تین کتابوں کے
ہے، اگر لائق مرتبین نے حواشی بھی تحریر کر دیے ہوتے تو کتاب
ہو جاتی، اردو زبان وادب کے طلبہ کے لیے ان کلاسیکل
وری ہے، مکتبہ جامعہ ان کی اشاعت پر مبارکباد کا مستحق ہے،

راہیمی۔ مرتبہ مولانا محمد ارشد اعظمی تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر
دہ پیسے، پتہ مکتبہ اسلامی ادب، فاطمان، وارانسی

ریف کی اہمیت وفضیلت کا ذکر اور درود ابراہیمی کے متعلق بعض شکوک کا
ورہ درود کے الفاظ وکلمات درج کیے گئے ہیں، درود شریف شفاعت نبوی کا
ل کا مطالعہ ہم خرما وہم ثواب ہوگا۔ "ض"

جلد ١٠٩۔ ماہ محرم الحرام ١٣٩٢ھ مطابق ماہ مارچ ١٩٧٢ء۔ عدد ٣

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد